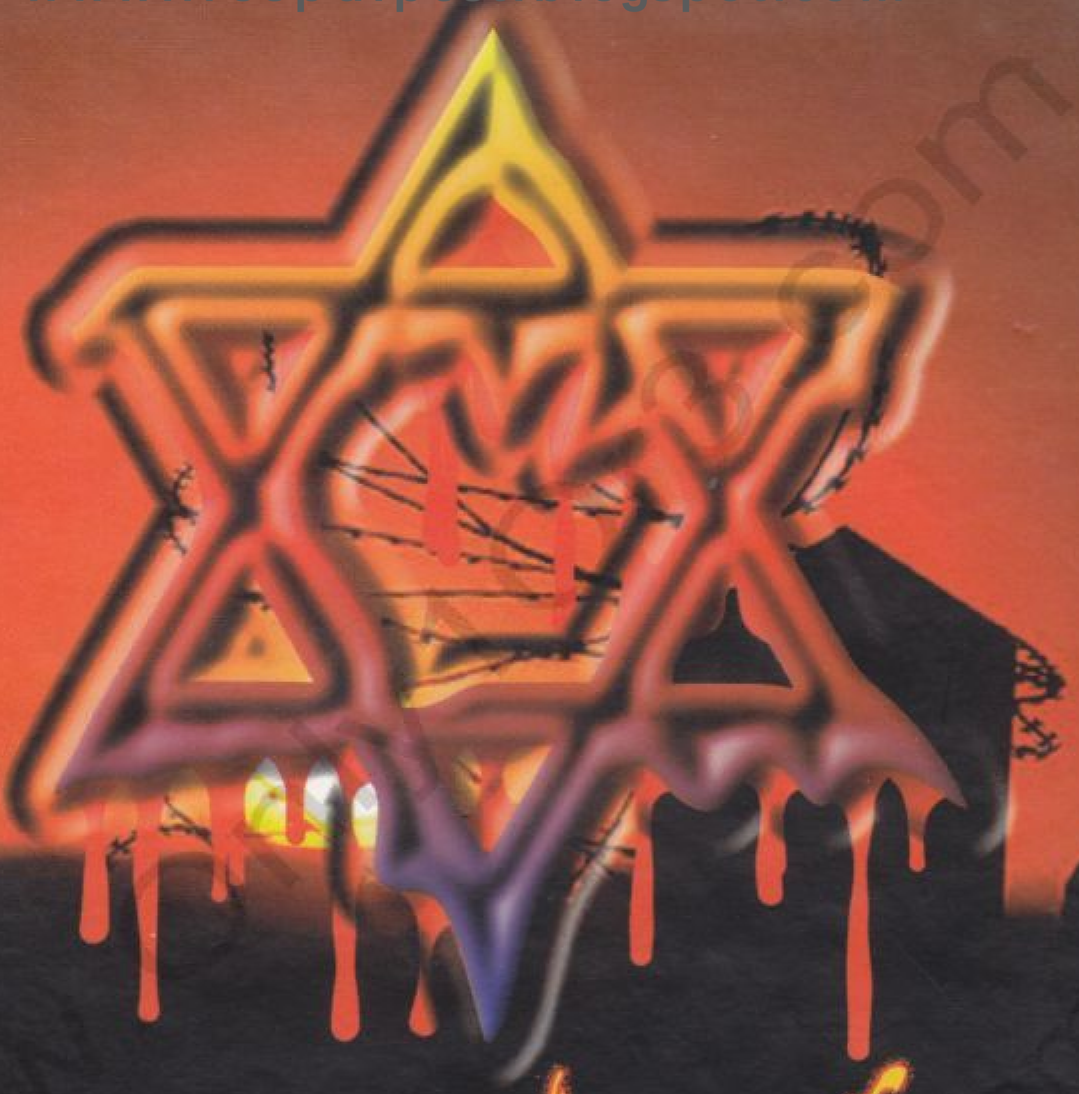


اسرائیل

کیوں تسلیم کیا جائے؟

تصنیف:
مولانا محمد شریف ہزاروی

ضابطہ

نام کتاب : اسرائیل کیوں تسلیم کیا جائے

تصنیف : مولانا محمد شریف ہزاروی

ناشر : محمد ریاض درانی

سالِ اشاعت : اپریل ۲۰۰۴ء

سرورق : جمیل حسین

کمپوزنگ : جمعیۃ کمپوزنگ سنٹر، لاہور

مطبع : اشتیاق اے مشتاق پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت : -/120 روپے

ISBN No: 969-8793-27-5

فہرست

عرضِ ناشر

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ہمیں یہودیوں اور عیسائیوں کی اسلام دشمن سازشوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اور یہودیوں اور نصاریٰ کی دوستی سے منع کرتے ہوئے واضح طور پر فرما دیا کہ وہ کسی صورت بھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ یہود تمہاری دشمنی میں بہت شدید ہیں۔ یوں حضورؐ کی تشریف آوری سے ہی یہودیوں کا طرز اور طریقہ یہ رہا کہ وہ چھپ کر وار کرنے اور خفیہ سازشوں کے ذریعہ اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اس لیے یہودیوں کی سازشوں سے ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے انہی سازشوں کی وجہ سے ان کو خیبر تک سے نکال دیا تھا۔ اس وقت سے اب تک ذلت کی چادر اوڑھے یہ یہود اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ پچاس سال قبل یہودیوں نے سازش کے ذریعہ ارض فلسطین پر قبضہ کیا اور پھر بیت المقدس پر قابض ہو کر سر زمین عرب میں ایک ناسور کی حیثیت سے اپنا ایک ملک ''اسرائیل'' قائم کر دیا۔ اس وقت سے مشرق وسطیٰ کا خطہ عدم استحکام کا شکار ہے اور روزانہ فلسطینی مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق فلسطینی بوڑھے سے لے کر بچے تک عورتوں سے لے کر بچیوں تک ہر انداز میں اسرائیل کے اس ناسور کو ختم کر کے بیت المقدس کی آزادی اور فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے جنگ آزادی میں مصروف ہیں۔ اس ''قصور'' پر کبھی ان کو سامرہ وشتیلہ کیمپوں میں وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور کبھی کسی اور جگہ قتل عام کے ذریعہ ان کا نام ونشان مٹانے کی کوشش ہوتی ہے۔ بربریت و وحشت کا وہ طوفان ہے کہ خود یہودی اس پر شرمسار ہو جاتے ہیں۔ مگر امریکہ اور

یورپ کی پشت پناہی، روس، چین، جاپان کی سرد مہری اور مسلم حکمرانوں کی بے حسی اور بے غیرتی اور مظالم کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جارہا ہے۔ ''ستم در ستم'' کے ان ظالمانہ اقدامات کو ختم کرنے اور مظالم کو روکنے کے بجائے اقوام متحدہ اور امریکہ کا اصرار ہے کہ ان کی اس ناجائز اولاد اسرائیل کو تمام مسلم ممالک تسلیم بھی کرلیں اور دوستی کے ہاتھ بھی دراز کریں۔

گزشتہ دو سالوں سے اس مطالبے میں شدت پیدا ہوگئی ہے اور ہمارے حکمرانوں کی جانب سے کچھ ایسے اشارے ملے کہ پاکستان بھی اسرائیل کو تسلیم کرنے پر غور کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اجمل قادری جیسے بعض نام نہاد علماء کی بھی خدمات حاصل کی گئیں۔ پاکستانی علماء اور عوام نے عمومی طور پر اور جمعیت علماء اسلام نے خصوصی طور پر ایک مہم کے ذریعہ حکومتی اقدامات کی مزاحمت کی اور یہ مسئلہ سردست سرد خانے میں چلا گیا لیکن ایک بحث کا آغاز کردیا گیا ہے کہ ''اسرائیل کو تسلیم'' کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں بلکہ عربوں کا مسئلہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے مخدوم اور معروف قلم کار مولانا محمد شریف ہزاروی نے اس بحث کا آغاز کر کے شرعی پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور مذہبی نقطہ نگاہ سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لیے ایک گراں قدر فریضہ سرانجام دیا ہے جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے مضر اثرات اور تسلیم نہ کرنے کے شرعی وجوہات بیان کی ہیں اور جمعیت علماء اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن اور ان کے دیگر رفقاء کے موقف کو شرعی پیراہن کے ذریعہ مضبوط مواد فراہم کیا گیا ہے۔ جمعیت پبلی کیشنز اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وبارک وسلم

محمد ریاض درانی

متصل مسجد پائلٹ ہائی سکول وحدت روڈ، لاہور

042-5427901-2

پیش لفظ

نحمدہ تبارک وتعالیٰ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ
آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

بنی اسرائیل اپنے دور کی معزز ترین اور مقتدر ترین قوم تھی جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت' حکومت' عزت اور اقتدار کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا اور یہ بات بھی بنی اسرائیل کے لیے بہت اعزاز کی بات تھی کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام جیسے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہونے کا شرف انہیں حاصل تھا لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان بے پایاں نعمتوں اور احسانات پر شکر گزاری اور ان کا حق ادا کرنے کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے ان اعزازات واکرامات کو نسلی تفاخر اور دوسری اقوام پر دھونس جمانے کا ذریعہ بنا لیا اور آسمانی تعلیمات میں من مانی تحریفات کر کے انہیں اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کا سلسلہ شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کے مطابق وہ خداداد اعزازات سے محروم ہوتے چلے گئے اور بالآخر مغضوب علیہم اور ضالین کے مقام تک جا پہنچے۔

نسلی تفاخر کی بنا پر بنی اسرائیل کی ہٹ دھرمی اور ضد کی انتہا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے جس آخری پیغمبر کا انہیں صدیوں سے انتظار تھا جس کی تشریف آوری کی بشارتیں ان کی کتابوں میں

موجود تھیں، جن کے نام سے وہ دوسری قوموں پر رعب جمایا کرتے تھے اور جن کی جلد از جلد بعثت کے لیے وہ مسلسل دعائیں کیا کرتے تھے۔ وہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو ان کی حقانیت وصداقت کی نشانیوں اور علامات کو واضح طور پر پہچان لینے کے باوجود وہ صرف اس لیے ان کے ہاں ناقابل قبول ٹھہرے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے چچازاد بھائیوں بنو اسماعیل میں پیدا فرمادیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم الصلوات والتسلیمات کی اولاد ہونے کا نسلی تفاخر وعصبیت رکھنے والے یہود کی اس ہٹ دھرمی اور عناد کے بعد عالم اسباب میں اس بات کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کبھی ہدایت کا راستہ اختیار کریں گے بلکہ ان کی جبلت اور تاریخی پس منظر کے باعث اس امر کی توقع زیادہ تھی کہ وہ تعلی، حسد اور ضد وعناد میں مزید آگے بڑھتے جائیں گے اور اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ان کے جذبات اور غصہ کی تپش دن بدن تیز تر ہوتی چلی جائے گی۔ اس لیے قرآن کریم نے ان کے ماضی کے عادات واخلاق اور وطیرہ ورویہ کے بارے میں تمام تفصیلات مسلمانوں کے سامنے کھولتے ہوئے انہیں خبردار کیا کہ مستقبل میں دوسری اقوام کی بہ نسبت یہودی قوم مسلمانوں کے خلاف دشمنی میں زیادہ پیش پیش ہوگی۔ اس لیے مسلمانوں کو ان سے باخبر رہنا چاہیے اور ان کی چالوں سے بچنے کے لیے تمام تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کے ساتھ چند سال اکٹھے رہنے کا موقع ملا تھا اور اس دوران میثاق مدینہ کے عنوان سے باہمی رواداری اور مل جل کر رہنے کی ایک کوشش بھی ہوئی تھی لیکن یہ کوشش خود یہودیوں کی درپردہ سازشوں کی وجہ سے ناکام ہوگئی اور ہمیشہ کے لیے یہ بات طے ہوگئی کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی دشمنی کا کیمپ مستقل طور پر سنبھال لیا ہے اور اب صلح، رواداری اور باہم مل بیٹھنے کا کوئی راستہ کھلا نہیں رہا۔

آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد یہودی ایک بار پھر منظم اور مسلح ہو کر مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہیں اور انہوں نے گذشتہ صدی کے دوران فلسطینیوں کو ان کے وطن سے محروم

کر کے جس طرح اس خطے پر قبضہ جمایا ہے اور عرب دنیا کے وسط میں بیٹھ کے اسلحے، طاقت اور سازش کے زور سے جس طرح کروڑوں عرب عوام کو قومی وحدت اور خود مختاری حتیٰ کہ زندگی اور آزادی کے تحفظ تک سے محروم کر رکھا ہے وہ انسانی تاریخ کا ایک سیاہ اور المناک باب ہے اور اس سے کہیں زیادہ الم و کرب کا پہلو یہ ہے کہ یہودیوں کی گزشتہ ایک صدی کی چیرہ دستیوں اور مظالم کو سند جواز عطا کرنے کے لیے نہ صرف عالمی سطح پر مہم جاری ہے بلکہ خود مسلمان ملکوں میں یہ بات دانش وروں کے ہاں موضوعِ بحث ہے اور یہ مشورے دیے جا رہے ہیں کہ جو کچھ ہو چکا اس پر مٹی ڈالیں اور ماضی کی یادوں کو دفن کرتے ہوئے آج کے معروضی حالات کی بنیاد پر اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے وجود کو سند جواز عطا کر دیں۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ یہودی چودہ سو سال پہلے کے ماضی کو فراموش کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور مدینہ و خیبر کو یاد کر کر کے ''عظیم تر اسرائیل'' کے خود ساختہ نقشے میں رنگ بھرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ مگر مسلمانوں کو مشورہ دیا جا رہا ہے کہ وہ ماضی قریب کی اس صدی کو فراموش کر دیں جس کے بہت سے کردار ابھی زندہ ہیں، جس کی چیرہ دستی کا نشانہ بننے والوں کے زخم ابھی تازہ ہیں اور جس کی درندگی میں کمی کی بجائے بدستور اضافہ ہوتا جا رہا ہے ایسے حالات میں اس بات کی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کے تاریخی عناد، تعصب، حسد اور اسلام کے خلاف ان کی ہٹ دھرمی کے شواہد کو ایک بار قوم کے سامنے لایا جائے اور نئی نسل کو بتایا جائے کہ جس قوم کے ساتھ دوستی کا رشتہ قائم کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے اس کا ماضی مسلمانوں کے ساتھ کیسا گزر رہا ہے اور اس کے مستقبل کے عزائم اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کیا ہیں؟

برادر محترم مولانا محمد شریف ہزاروی شکریہ و تبریک کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور قرآن کریم، احادیث نبویہ اور تاریخ و تفاسیر کے ذخیرہ سے بہت سی معلومات اس حوالہ سے جمع کر دی ہیں جو قوم یہود کے مذہبی مزاج اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی مخصوص دشمنی کے اسباب کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ہیں اور اس سلسلہ میں ان سے خاصی راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اگرچہ اس سلسلہ میں زیادہ وسیع دائرہ میں کام کی ضرورت ہے اور خاص طور پر گزشتہ

صدیوں میں یورپین اقوام کے ہاتھوں یہودیوں کے قتل عام اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے لیے یہودیوں کی سازشوں کو تاریخی دستاویزات کے حوالہ سے منظر عام پر لانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تاہم حرفِ آغاز کے طور پر مولانا محمد شریف ہزاروی کی یہ تحقیقی کاوش قابل ستائش اور قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازیں اور دیگر اہل علم کو بھی اس طرف متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی

مدیر ماہنامہ الشریعۃ، گوجرانوالہ

۲۴ مارچ ۲۰۰۴ء

یہودیوں کا تاریخی پس منظر

لفظ یہود کی تحقیق

لفظ ''یہود'' میں اختلاف ہے کہ یہ عربی مشتق ہے یا کہ غیر عربی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ عربی لفظ ہے اور ''الھود'' سے مشتق ہے جس کے معنی توبہ اور رجوع کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''انا ھدنا الیک'' ہم نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ (الاعراف آیت ۱۵۶)

اور بعض نے کہا کہ یہ غیر عربی لفظ ہے اور منسوب ہے یہوذا کی طرف جو بنی اسرائیل کی ایک اولاد ہیں اور منسوب ہے یہوذا مملکت کی طرف جو فلسطین میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد تھی۔ اس نسبت میں یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لیے کہ اس نام ''الیہود'' کو یہود نے اپنی کتب میں سوائے سفر عزرا کے جس میں یہوذا مملکت کے لوگوں کو قید کر کے بابل کی جانب لے جانے کا تذکرہ ہے، نہیں کیا۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ ان کا یہود کا لقب اختیار کرنا ملوک فارس کا سقوط بابل کے بعد ان پر تسلط حاصل کر لینے سے پہلے کا ہے۔

اصطلاح میں یہود وہ ہیں جن کا زعم ہے کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں۔ قرآن کریم میں ان کا تذکرہ ''قوم موسیٰ'' ''بنی اسرائیل منسوب بنسبت یعقوب علیہ السلام اہل کتاب اور ''یہود'' کے نام سے ہوا ہے لیکن یہ بھی مدنظر رہے کہ یہود کے نام سے ان کا تذکرہ مذمت والی جگہ پر ہوا ہے جیسا کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ''وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان'' (المائدہ ۶۴)

یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بند ہو گئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ بند ہو جائیں اور لعنت ہے ان کو اس کہنے پر بلکہ اس کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا ''وقالت الیھود و النصاریٰ نحن ابنٰٓؤا اللہ و احباؤہ'' (المائدہ ۱۸)

اور کہتے ہیں یہودی اور نصرانی کہ ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں۔

اور فرمایا:

''وقالت الیھودُ عزیر ابن اللہ''

یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ (التوبہ ۳۰)

اور ارشاد فرمایا:

ما کان ابراھیم یھودیاً و لا نصرانیاً (آل عمران ۶۷)

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی''

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہودی کا لقب اس وقت دیا گیا کہ جب ان کی دینی حالت خراب ہو گئی تھی اور وہ اللہ کے دین سے منحرف ہو گئے تھے۔

یہود کی مختصر تاریخ

یہ بات مسلم ہے کہ اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف ہی بنی اسرائیل کی نسبت ہے۔ مختلف جگہوں سے منتقل ہو کر فلسطین میں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں نے فلسطین کو ہی اپنا مسکن بنا کر وہاں دیہاتی زندگی بسر کرنا شروع کی۔ اللہ کریم نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

وقال یا أبت ھذا تاویل رؤیای من قبل قدجعلھا ربی حقاً وقد احسن بی اذ اخرجنی من السجن وجاء بکم من البدو'' (یوسف آیت ۱۰۰)

''اور کہا اے ابا جان یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا اس کو میرے رب نے سچا کر

دیا اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے۔'' ابن جریج نے لکھا کہ وہ دیہات کے رہنے والے اور مویشی پالنے والے تھے۔

حضرت یعقوبؑ کا مصر منتقل ہونا

اس بنا پر ہم یہود کی تاریخ سیدنا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع کرتے ہیں۔ اس کا پہلا مرحلہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا فلسطین سے مصر منتقل ہونا ہے۔ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر پر قدرت عطا فرمائی اور آپ اس کے خزانے کے ذمہ دار ٹھہرے تو انہوں نے والد اور تمام اہل خاندان کو پیغام بھیجا کہ وہ مصر آ جائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد اور اہل خانہ سمیت مصر منتقل ہو گئے اور مصر ہی کو اپنا وطن بنا لیا۔ یہود نے اپنی کتاب میں ذکر کیا کہ بنی اسرائیل جب مصر میں داخل ہوئے تو اس وقت یہ قافلہ ستر اشخاص پر مشتمل تھا اور یہ ایک ایماندار قبیلہ تھا۔ بت پرستوں کے درمیان فرعون مصر نے ایک کنارے پر ان کو زمین کا حصہ دے دیا جہاں انہوں نے قیام کیا۔ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں انہوں نے بڑے عیش وآرام کی پاکیزہ زندگی بسر کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے طویل زمانہ بعد بنی اسرائیل پر حالات نے پلٹا کھایا اور فراعنہ ان کے خلاف سرکشی اور ظلم پر اتر آئے اور ان کو ضعیف و کمزور کر کے ان کو ذلیل کیا غلام بھی بنا لیا اور حالات اس حد تک چلے گئے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

''ان فرعون علافی الارض وجعل اھلھا شیعاً یستضعف طائفة منھم یذبح ابناء ھم ویستحی نساء ھم انه کان من المفسدین ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم آئمة ونجعلھم الوارثین ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون وھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون (القصص ۴-۶)

ترجمہ: ''فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا وہاں کے لوگوں کو کئی

فرقے، کمزور کر رکھا تھا ایک فرقے کو ان میں۔ ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا ان کی عورتیں۔ بے شک وہ تھا خرابی ڈالنے والا اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور کر دیں ان کو قائم مقام اور جما دیں ان کو ملک میں اور دکھا دیں فرعون ہامان کو اور ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ سے جس چیز کا ان کو خطرہ تھا۔"

فراعنہ مصر ان کے بیٹوں کو ذبح کرتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے۔ یہ تکلیف اور مشقت بنی اسرائیل پر ایک طویل عرصہ تک رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے فرعون کو ایمان کی دعوت دی اور یہ کہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت نہ دے اور یہ کہ بنی اسرائیل کو ستانا اور ان پر ظلم و ستم ڈھانا چھوڑ دے اور یہ کہ ان کو مصر سے چلے جانے کی اجازت دے دے۔

فرعون نے ڈھٹائی، نخوت و تکبر سے اس بات کو مسترد کیا اور بنی اسرائیل کی تعذیب جاری رکھی۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"**وقال الملاء من قوم فرعون اتذر موسیٰ وقومه ليفسد وافى الارض ويذرك وآلهتك قال سنقتل ابناء هم ونستحى نساء هم وانا فوقهم قاهرون**" (الاعراف ۱۲۷)

ترجمہ: "اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو اور اس کی قوم کو کہ دھوم مچائیں ملک میں اور موقوف کر دیں تجھ کو اور تیرے بتوں کو، بولا اب ہم مار ڈالیں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے ان کی عورتوں کو اور ہم ان پر زورآور ہیں۔"

اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو قحط سالی، کھیتی کی ہلاکت میں مبتلا کر کے ان پر بطور عذاب طوفان، ٹڈیاں، چچڑیاں، مینڈک اور خون بھیج دیا لیکن انہوں نے پھر بھی تکبر کیا اور انکار کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو نکال کر لے جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

دوسرا مرحلہ: بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ کریم کے حکم سے راتوں رات لے کر نکلے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

"واوحینا الی موسیٰ ان أسر بعبادی انکم متبعون فأرسل فرعون فی المدائن حاشرین. ان ھولاء لشرذمة قلیلون' وانھم لنا لغائظون' وانا لجمیع حاذرون' فاخرجناھم من جنات وعیون' وکنوز ومقام کریم' کذالک و اورثناھا بنی اسرائیل' فاتبعوھم مشرقین' فلما تراء ی الجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون' قال کلا ان معی ربی سیھدین فأوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر' فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم، وازلفناثم الآخرین وانجینا موسیٰ ومن معه اجمعین، ثم اغرقنا الآخرین (الشعراء ۵۲-۶۶)

ترجمہ: "اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے کر نکلیں میرے بندوں کو۔ البتہ تمہارا پیچھا کریں گے۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب' یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی اور یہ ہم سے دل جلے ہیں اور ہم سارے ان سے خطرہ رکھتے ہیں پھر نکالا ہم نے ان کو باغ اور چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے' اس طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ بنی اسرائیل کے' پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلنے کے وقت' پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے جو راہ دکھلائے گا' پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنی عصا سے دریا کو' پھر دریا پھٹ گیا تو ہوگئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ' اور پاس پہنچا دیا ہم نے اس جگہ دوسروں کو

اور بچا دیا ہم نے موسیٰ اور جو لوگ تھے اس کے پاس سب کو پھر ڈبا دیا ہم نے ان دوسروں کو۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچایا۔ فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا۔ یہودی اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں کہ مصر میں ان کی اقامت کی مدت چار سو تیس سال تھی۔ (کتاب سفر الخروج ۱۲/۴۰) اور ان کے اکثر علماء اس مدت کو غلط کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک کل مدت ۲۱۵ سال ہے۔ (الیہودیہ احمد شبلی ص ۲۶۱) اور مصر سے نکلتے وقت ان کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ چھ لاکھ تھی۔ بنی لاوی کو وہ بنی اسرائیل میں شمار نہیں کرتے تھے۔

(سفر الخروج ۱۲/ ۳۷)

اس تعداد میں بہت زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مصر سے جاتے وقت ان کی تعداد عورتوں اور بچوں کو ملا کر تقریباً دو ملین (بیس لاکھ) تھی۔ اس دعوے کی تصدیق ممکن نہیں۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ مصر میں اقامت کے دوران ان کی تعداد میں تیس ہزار گنا اضافہ مانا جائے اس لیے کہ مصر میں داخل ہوتے وقت ان کی تعداد ستر اشخاص پر مشتمل تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرعون کا قول (ان ھو لاء لشر ذمة قلیلون) یہ لوگ جو ہیں ایک جماعت ہے تھوڑی سی، نقل کیا ہے اور دو ملین (بیس لاکھ) افراد کا تھوڑے ہونے سے تعبیر کرنا ممکن نہیں اور بیس لاکھ افراد کی ایک رات میں نقل وحرکت بھی محال ہے جبکہ ہمارے علم میں یہ بات بھی ہے کہ ان میں عورتیں، بچے اور بوڑھے افراد بھی تھے۔

تیسرا مرحلہ: مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا

مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو بہت سارے حادثات کا سامنا کرنا پڑا۔
ان واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی بت کو الٰہ بنانے کا مطالبہ کیا۔ اللہ کریم نے فرمایا:

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فأتو علیٰ قوم یعکفون علیٰ اصنام لھم قالوا یا موسیٰ اجعل لنا الھاً کما لھم آلھة قال انکم قوم تجھلون،

ان ھولاء متبرٌ ماھم فیہ وباطل ما کانوا یعملون، قال اغیر اللہ ابغیکم الھاً وھو فضلکم علی العالمین (الاعراف ۱۳۸-۱۴۰)

ترجمہ: ''اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پہنچے ایک ایسی قوم پر جو اپنے بتوں کو پوجنے پر لگے ہوئے تھے۔ کہنے لگے اے موسیٰ ہماری عبادت کے لیے بھی ایک بت ان کے بت جیسا بنا دے۔ کہا تم لوگ تو جہل کرتے ہو یہ لوگ اور جس چیز میں یہ لگے ہوئے ہیں تباہ ہونے والی ہے اور غلط ہے جو یہ کررہے ہیں اور کہا اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے لیے کوئی معبود حالانکہ اس نے تم کو بڑائی دی تمام جہان پر۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی اسرائیل کی جانب سے اس قسم کا مطالبہ تعجب خیز ہونے کے ساتھ مضحکہ خیز بھی تھا، جبکہ انہوں نے ایسی نشانیوں کا اور معجزات کا مشاہدہ کرلیا تھا کہ عقل مند اور صاحب بصیرت کو ان پر قناعت کیے بغیر چارہ نہیں۔

ایک واقعہ بچھڑے کی عبادت کا ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب موسیٰ علیہ السلام اپنے مقررہ وعدے پر اللہ کریم سے شرف ہم کلامی کے لیے تشریف لے گئے تو سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا۔ ان کے لیے سونا پگھلا کر ایک بچھڑا بنایا جو سونا بنی اسرائیل مصریوں سے نکلتے وقت مانگ کر لائے تھے سامری نے ان کو اس کی عبادت کی دعوت دی۔ موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں انہوں نے اس کی عبادت کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو منع بھی کیا اور متنبہ بھی کیا۔ اللہ کریم نے فرمایا:

ولقد قال لھم ھارون من قبل یا قوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری قالوا لن نبرح علیہ عاکفین حتی یرجع الینا موسیٰ (طٰہٰ ۹۰-۹۱)

ترجمہ: ''اور کہا تھا ان کو ہارون نے پہلے سے اے قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے ہو اس بچھڑے سے اور تمہارا رب تو رحمان ہے سو میری راہ

چلو اور میری بات مانو۔ وہ بولے ہم برابر اسی پر لگے بیٹھے رہیں گے

جب تک لوٹ کر آئے موسیٰ۔''

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے افسوس ناک حالت میں لوٹے تو ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی اور اس بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہا دی اور بچھڑے کے پرستاروں کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دیں تا کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے۔

ان کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کچھ لوگ چھریاں لے کر کھڑے ہو گئے اور بت پرست بیٹھ گئے۔ اتنے میں اندھیرا چھا گیا تو کھڑے لوگوں نے بیٹھنے والوں پر چھریوں کے وار شروع کر دیے جب اندھیرا ختم ہو گیا تو جو مر گئے تھے ان کی توبہ بھی اور جو باقی تھے ان کی توبہ بھی قبول ہو گئی۔

ایک اور واقعہ جبابرہ کے قتل سے انکار کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جبارین کے ساتھ قتال کی دعوت دی۔ جبارین حبثانین، فزربین اور کنعانین تھے۔ یہ ارض مقدس میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے تو ارض مقدس کی تحدید کے بارے میں بعض نے کہا کہ اریحا ہے۔ بعض نے کہا طور اور اس کا ارد گرد سے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شام اور بعض کہتے ہیں دمشق، فلسطین اور اردن کا کچھ حصہ اور بعض کہتے ہیں بیت المقدس ارض مقدس ہے۔ (ابن کثیر ۲/۳۶)۔ بنی اسرائیل نے جبارین سے قتال کا انکار کیا اور خود اس سے الگ ہو کر موسیٰ علیہ السلام کو وہ بات کہی جو اللہ کریم نے ذکر فرمائی۔ ''قالوا یا موسیٰ انا لن ندخلها ابداً مادا موا فیها فاذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون'' (المائدہ ۲۴)

ترجمہ: ''انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے۔

جب تک وہ اس میں ہوں گے۔ آپ اور آپ کا رب جا کر ان سے

لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔''

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کریم سے دعا کی۔

قال رب انی لااملک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین (المائدہ ۲۵)

ترجمہ: ''کہا میرے پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو جدائی کر ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔''

اللہ کریم نے اس وقت ان پر سرگردانی کا حکم ارشاد فرمایا:

"قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون فى الارض فلا تأس على القوم الفاسقين" (المائدہ ۲۶)

''فرمایا یہ زمین ان پر حرام کر دی گئی چالیس برس سر مارتے پھریں گے۔ ملک میں سو افسوس نہ کرنا نافرمان قوم پر۔''

اللہ تعالیٰ نے جو مدت مقرر کی اس مدت میں یہ سرگردان ہی رہے اسی مدت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی اور حضرت ہارون علیہ السلام ان سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔

یہود اپنی کتاب تورات میں لکھتے ہیں کہ انکار کے وقت جو بھی کوئی بالغ تھا وہ اس سرگردانی کی مدت میں مر گیا۔ ان میں سے سوائے یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا کے علاوہ اور کوئی داخل نہ ہو سکا۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہی وہ دو اشخاص ہیں جن کے بارے میں اللہ کریم نے فرمایا:

"قال رجلان من الذين يخافون انعم الله عليهما ادخلوا عليهم الباب (المائدہ ۲۳)

ترجمہ: کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی ان دونوں پر گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازے میں پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم یقین رکھتے ہو۔

چوتھا مرحلہ بنی اسرائیل کا ملک فلسطین میں داخل ہونا

بنی اسرائیل کی سرگردانی والی مدت ختم ہونے کے بعد بنی اسرائیل نے یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں ارض مقدس کو فتح کیا۔ یہود ذکر کرتے ہیں کہ وہ نہر اردن کی جانب سے داخل ہوئے تھے۔ مورخین ان کی تاریخ فلسطین کو تین ادوار پر تقسیم کرتے ہیں۔

۱- دور قضاء:

اس دور سے مراد یہ ہے کہ یوشع بن نون علیہ السلام نے جب ارض مقدس کو فتح کیا تو مفتوحہ سرزمین انہوں نے بنی اسرائیل کے قبائل میں تقسیم کی اور ہر ایک قبیلہ کو زمین کی ایک قسم دے دی اور ان کے بڑوں میں ایک شخص کو ان کا رئیس اور سربراہ مقرر کیا اور تمام قبائل پر ایک ایک قاضی مقرر کیا۔ آپس کے جھگڑوں کے تصفیہ میں یہ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، تمام قبائل کے رئیس کے طور پر یہ ایک نمائندہ تھے، بنی اسرائیل اسی حالت پر تقریباً چار سو سال رہے، ان کے اور ان کے دشمنوں میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ فتح کبھی بنی اسرائیل کی اور کبھی دشمنوں کی ہوتی تھی۔

۲- عہد الملوک:

یہ دور ہے جس میں بادشاہت شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے بادشاہ کی خبر کی اطلاع ہمیں اس طرح ارشاد فرمائی:

أَلَم تر الى الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسٰی اذ قالوا لنبی لهم ابعث لناملکاً نقاتل فی سبیل الله (البقرہ ۲۴۶)

ترجمہ: ''کیا تو نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا حضرت موسیٰ کے بعد جب کہا انہوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کردو ہمارے لیے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں۔''

تو اللہ کریم نے حضرت طالوت کو بادشاہ مقرر کیا۔ انہوں نے ناپسندگی سے ان کو قبول کیا اور اپنی کتابوں میں ان کا نام شاؤل رکھا۔ ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ یہ بنی اسرائیل پر گزرے ہوئے ادوار میں سب سے زیادہ زریں دور تھا کہ ان دونوں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے ان کو عدل اور حکومت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سب کا درس دیا۔

۳- عہد الانقسام:

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے متصل بعد کا دور ہے جب ان کے بعد رجعام بن سلیمان علیہ السلام اور یربعام بن نباط میں حکومت پر جھگڑا ہوا تو رجعام نے یہوذا قبیلہ اور بنیامین قبیلہ پر استقلال و استحکام حاصل کر لیا اور جنوبی فلسطین پر حکومت قائم کر کے بیت المقدس کو دارالحکومت مقرر کیا اور سلطنت کا نام سلطنت یہوذا مملکت کے باشندوں کے نام سے رکھا۔ یہ قبیلہ یہوذا کے نام سے موسوم تھی جن کی نسل میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس سلطنت کے دوسرے حکمران بھی اور یربعام بن نباط نے دوسرے دس قبائل پر استقلال و استحکام حاصل کر کے شمالی فلسطین پر حکومت قائم کی اور اس کا نام حکومت اسرائیل رکھا اور نابلس کو دارالحکومت مقرر کیا۔ اس حکومت کا اصل نام یہودیوں کے ہاں ''السامریین'' ہے۔ ایک پہاڑ کی نسبت جس کا نام ''شامر'' ہے۔ ان کے ایک بادشاہ عمری نے خرید کر ان کے علاقہ کا نام ''السامرۃ'' رکھا۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ سامریین اسرائیلی حکومت کا یہی ایک قبیلہ اور گروہ تھا جس نے اپنا قبلہ بیت المقدس سے تبدیل کر کے جرزیم پہاڑی بنالیا جو نابلس کے علاقہ میں واقع تھا۔ یہودی سامریین کو یہوذا قبیلے کی ایسی شاخ تصور کرتے ہیں جنہوں نے ملحد اور کفار بن کر اپنا قبلہ تبدیل کر لیا تھا۔

پھر ان دونوں حکومتوں میں عداوت تھی اور قتال تک کی نوبت بھی تھی۔ تاریخ کے بعض ادوار میں ان کی موافقت اور تعاون کا ثبوت بھی ملتا ہے اور اسرائیلی حکومت کثیر الحرکت اور فتن زد حکومت تھی جس میں حکمران خاندان کئی بار تبدیل ہوا۔

یہوذا مملکت میں حکمرانی یہوذا قبیلے میں ہی رہی۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد اور ان دو مملکتوں کو اپنے پڑوسیوں ارامیین، فلسطینیین، ادومیین اور ''موآبیین'' کی جانب سے اکثر لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ''ارامیین'' سامیوں کا ایک قبیلہ ہے جو لبنان کے پہاڑوں کے مغربی جانب ''منطقہ ممتدہ'' اور ماوراء الفرات سے مشرقی جانب میں اور طوروس پہاڑیوں کے شمال میں دمشق کی جانب اور اس کے ماوراء سے جنوب میں سکونت پذیر تھے اور فلسطینی قبیلے جزیرہ کریت سے آکر بنی اسرائیل کے آنے سے پہلے فلسطین میں آباد ہو گئے تھے۔ فلسطینی غزہ کی پٹی اور فلسطین کے مغربی ساحل پر آباد ہوئے تھے۔

(قاموس الکتاب المقدس ص ۶۹۳)

ادومیون، عیسو بن یعقوب علیہ السلام کی نسل سے۔ بحر میت سے خلیج عقبہ کی جانب منطقہ ممتدہ میں رہائش پذیر تھے۔ (قاموس الکتاب المقدس ص ۳۹)

موابیین، سامی قبیلہ کی شاخ تھے جو بحر میت کے مغربی حصہ میں مشرقی جانب کی طرف ممتد علاقہ میں رہائش پذیر تھے۔ (قاموس الکتاب المقدس ص ۹۲۷)

ان دونوں حکومتوں کے باشندوں سمیت حکمرانوں کے اکثر و بیشتر اوقات میں بت پرستی میں مبتلا رہے۔ بالخصوص اسرائیلی مملکت اور یہودی سامریین کی حکومت۔

۵۔ اجنبیوں کا ان پر تسلط:

اسرائیلی مملکت کو قریباً ۲۴۴ برس اپنی سرزمین پر استقرار و استحکام رہا۔ اس کے بعد آشوریوں کے ہاتھوں ان کے حکمران سرجون کے زمانہ میں ۷۲۲ ق م۔ ان کی مملکت کا خاتمہ ہوا۔ اس نے پوری قوم کو قید کر کے عراق میں لے جا کر آباد کیا اور دوسرے علاقے سے لوگوں کو لا کر وہاں آباد کیا۔ انہوں نے بعد میں بنی اسرائیل کے دین کو اختیار کیا (سفر الملوک الثانی الاصحاح ۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ تمام یہودی بنی اسرائیل نہیں ہیں بلکہ دوسرے قبائل نے بھی اس دین کو اختیار کیا تھا۔ اس حکومت کا اسی وقت فیصلہ ختم ہو چکا تھا۔

یہوذا سلطنت تقریباً ۳۶۲ برس قائم رہی (تاریخ بنی اسرائیل اسفار، ص ۱۷۸) پھر مصر

کے فراعنہ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا ۶۰۳ ق م میں خاتمہ ہوا۔ مصریوں نے ان پر جزیہ مقرر کیا۔ فراعنہ مصر کی سلطنت اس وقت فرات تک پھیل گئی تھی۔

اس کے بعد بابل کا حاکم بخت نصر کلدانی آیا اور اس نے شام اور فلسطین کا علاقہ فرعونیوں سے واپس لے کر ان کو وہاں سے نکال دیا۔ ایک مرتبہ بخت نصر نے پھر یہوذا کی مملکت پر حملہ کر کے سرکشوں کو تہہ تیغ کیا۔ شہروں کو ویران کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے یروشلم کی عبادت گاہ کو منہدم کیا اور ان کو قید کر کے بابل لے گیا۔ یہوذا حکومت کے نام موسوم مملکت کا خاتمہ ۵۸۶ ق م بخت نصر کے اسی حملہ کے سبب سے ہوا۔ پھر بابل حکومت کا خاتمہ فارسیوں کے ہاتھوں ان کے بادشاہ ''قورش'' کے زمانہ میں ہوا۔ اس نے یہودیوں کو پھر بیت المقدس جانے اور ہیکل کی تعمیر کی اجازت دی اور انکے جانے سے پہلے ان پر انہی میں سے ایک شخص کو حاکم مقرر کر دیا۔

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہود اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ ''قورش'' بادشاہ نے اپنی مملکت میں یہ اعلان کروایا کہ زمین پر آباد تمام ممالک رب نے، جو آسمان کا الہ ہے، مجھے دے دیے ہیں اور مجھے یہ حکم بھی فرمایا کہ میں یورشلم کے مقام پر جو یہوذا میں ہے، اس کا گھر بناؤں۔ اس بیان کو اگر یہود کی تصدیق کے مطابق صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''قورش'' اللہ پر ایمان رکھنے والا شخص تھا۔

فارسیوں کی سلطنت پر جو بلاد شام اور فلسطین پر قائم تھی، اسکندر المقدونی یونانی نے حملہ کر کے غلبہ حاصل کیا۔ فارسیوں کی سلطنت ختم کر کے نہ صرف شام اور فلسطین پر قبضہ کیا بلکہ مصر اور عراق پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ یہ علاقے یونانیوں کے زیر تسلط رہے۔ یہاں تک کہ رومانی قائد (بومبی) نے حملہ کر کے یونانیوں کا تسلط ختم کیا اور یہودی رومیوں کی سلطنت میں داخل ہو گئے۔

زمین میں یہودیوں کا متفرق طور پر پھیل جانا

رومیوں کے غلبہ کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ان کے رفع

آسمانی کے بعد فلسطین میں یہودیوں کو سخت مصیبتوں اور آزمائشوں سے واسطہ پڑا۔ جب انہوں نے رومیوں کے خلاف شورش اور بغاوت شروع کی تو رومی سربراہ ''تیطس'' نے ۷۰ء میں ان کی سرکوبی کی کوشش کی اس نے ان پر حملے کیے ان کو قتل کیا اور بہت بڑی تعداد کو قید کیا اور بہت سوں کو جلاوطن کیا۔ بیت المقدس کو گرایا اور یہودیوں کی عبادت گاہ ہیکل کی دوسری مرتبہ بربادی تھی۔

رومی حاکم ''ادریان'' نے ہیکل کی تباہی کو مزید نقصان ۱۳۵ء میں پہنچایا جب اس نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ ہیکل کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جائے اور اس کی جگہ پر رومیوں کے بتوں میں سے سب سے بڑے بت کی عبادت گاہ تعمیر کی جائے۔ اس بت کو وہ ''جوبتیر'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ شہر کی ہر چیز کو منہدم کر کے ایک بھی یہودی وہاں رہنے نہ دیا اور اس کے ساتھ ہی یہودیوں کا داخلہ بھی شہر میں ممنوع قرار دیا اور داخلہ کی سزا پھانسی مقرر کر دی۔ اس کے بعد یہودیوں کو سال میں ایک مرتبہ بیت المقدس میں آنے کی اجازت دی اور معبد کے غربی حصہ میں باقی موجود ایک دیوار کے پاس وقوف کی اجازت دی۔ اس دیوار کو ''دیوار گریہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہودی دنیا کے مختلف کونوں میں پھیل گئے۔ ان کی بداخلاقی، بغاوت اور فسادی طبیعت کی وجہ سے اللہ کریم نے ان پر ایسے لوگ مسلط کر دیے جو ان کو بڑے بڑے عذابوں اور تکلیفوں میں مبتلا رکھتے تھے۔ اسی سے متعلق اللہ کریم نے فرمایا:

واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیامۃ من یسومھم سوء العذاب ان ربک سریع العقاب وانہ لغفور رحیم (الاعراف ۱۶۷)

ترجمہ: ''اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے یہودیوں کو آگاہ کر دیا کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتا رہے بے شک تمہارا پروردگار جلد عذاب کرنے والا اور بخشنے والا مہربان بھی ہے۔''

اللہ کریم نے ان کو جو سزا دی اسی دائمی سزا کا ایک جز وان کا جماعت جماعت ہو کر منتشر

کرنا بھی ہے۔ یہ بھی ان کے کفر اور فساد کی سزا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا:

وقطعنٰهم فی الارض اُمماً منهم الصالحون ومنهم دون ذالک وبلونهم بالحسنات والسيأت لعلهم يرجعون. فخلف من بعدهم خلف ورثوا الكتاب يأخذون عرض هذا الادنىٰ ويقولون سيغفرلنا وان يأتهم عرض مثله يأخذوه، ألم يؤخذ عليهم ميثاق الكتاب أن لا يقولوا على الله الا الحق ودرسوا مافيه، والدار الآخرة خير للذين يتقون. افلا تعقلون (الاعراف ۱۶۸-۱۶۹)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کو جماعت جماعت کر کے زمین میں منتشر کر دیا۔ بعض ان میں نیکوکار ہیں اور بعض اور طرح (یعنی بدکار) اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے انکی آزمائش کرتے رہے تاکہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ پھر ان کے بعد ناخلف انکے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے۔ یہ (بے تامل) اس دنیا دنی کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بخش دیے جائیں گے اور (لوگ ایسوں پر طعن کرتے ہیں) اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آ جاتا ہے تو وہ بھی اسے لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی نسبت سچ کے سوا کچھ نہیں بولیں گے اور جو کچھ اس میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے اور آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔''

ان آیات مبارکہ میں یہود پر واقع نشانیوں کی تصریح ہے۔

پہلی آیت میں ہے کہ اللہ کریم نے یہودیوں پر لوگوں کے ہاتھوں سے دائمی عذاب قیامت تک مسلط کر دیا ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اللہ کریم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دنیا میں پھیلا دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھیلنے میں بھی یہ بات ہے کہ اس کی وجہ سے بھی

ان پر سخت تکلیفیں آئیں گی کہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کی امداد کرنے پر قادر نہیں۔

پہلی صدی ہجری جو ساتویں صدی عیسوی کے مطابق ہے۔ فلسطین میں رومی نصرانیوں کی جگہ مسلمانوں نے لی۔ شام اور فلسطین اور ان ممالک میں جو کچھ رومیوں کے پاس تھا وہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس وقت یہود تفرق وتشتت کی زندگی دنیا کے مختلف ممالک میں گزار رہے تھے اور یہودیوں کو بیت المقدس میں آنے اور رہنے کی اجازت نہ تھی بلکہ عیسائیوں اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کی بنیاد ہی اس بات پر تھی کہ یہود کو بیت المقدس میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ (تاریخ طبری ۳/۶۰۹) بیسویں صدی کے آغاز تک یہودی اسی طرح مختلف ممالک میں تفرق وتشتت کی زندگی گزارتے رہے تھے۔

موجودہ زمانہ میں فلسطین میں یہودیوں کا اکٹھا ہونا

اہل یورپ کی نظر میں یہودیوں کو ایک جگہ اور ایک ملک میں جمع کرنے کی فکر پہلی مرتبہ نپولین بونا پارٹ کے مصر پر (۱۷۹۸-۱۷۹۹) حملہ کے وقت پیدا ہوئی جب اس نے ایشیا اور افریقہ کے یہودیوں کو اپنی مہم جوئی میں قدیم القدس کی تعمیر جدید کے لیے دعوت دی۔ اس دعوت پر یہودیوں کی ایک کثیر تعداد نے اس کی فوج میں شمولیت اختیار کی لیکن نپولین کی شکست، زوال اور خاتمہ کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

دوسری مرتبہ اس فکر کو دوسری طرح پروان چڑھا گیا۔ کثیر تعداد میں مغربی زعماء اور اکابرین یہود نے اس کا اہتمام کیا اور بہت ساری تنظیمیں بنائی گئیں جو اس فکر کو پروان چڑھائیں اس فکر کو باقاعدہ عملی جامہ پہنانے کی ابتداء صہیونی لیڈر "تھیوڈر ہرتزل" کی کتاب "الدولۃ الیہودیہ" یہودی ریاست کی ۱۸۹۶ء میں اشاعت سے ہوئی جبکہ اسی مقصد کے لیے انہوں نے سوئٹزر لینڈ کے شہر باسل میں ۱۸۹۷ء میں ایک کانفرنس منعقد کی۔

اس کانفرنس کے افتتاحی خطاب میں یہ اعلان کیا گیا کہ ہم اس گھر کا تاسیسی پتھر رکھنا چاہ

رہے ہیں جو عنقریب یہودیت کا مسکن اور جائے پناہ ہوگا۔ پھر ایک وسیع پروگرام اور منصوبہ کی منظوری دی گئی جس میں فلسطین کی جانب جلد پیش قدمی پر ابھارا گیا اور یہ کہ فلسطین کو وطن اور مسکن بنانے کی بنیاد پر حکومت اسرائیل تسلیم کروائی جائے۔

اس کانفرنس کے قراردادوں میں ایک عالمی صہیونی تنظیم کی تشکیل کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا جو اس کانفرنس کے اہداف کو حاصل کرے اور اس تنظیم کو مختلف ظاہری اور خفیہ تنظیموں کی تشکیل کی ذمہ داری سونپی گئی تا کہ اس ہدف کے حصول کے لیے کام کریں اور اس مقصد کے لیے چار نکاتی پروگرام تجویز کیا گیا:

۱- فلسطین میں یہودی کسانوں، مزدوروں اور اہل حرفہ کی آبادی کو فروغ دیا جائے۔

۲- دنیا میں جہاں جہاں یہودی آباد ہیں ان ممالک کے قوانین کے مطابق یہودی تنظیمیں قائم کی جائیں اور انہیں قانونی انداز میں مربوط کیا جائے۔

۳- یہودیوں کے دلوں میں یہودیت کے لیے جذبات کو فروغ واستحکام بخشا جائے اور ان میں قومی تشخص کا شعور بیدار کیا جائے۔

۴- ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے ذریعہ متعلقہ حکومتوں کی رضامندی سے صہیونیت کے مقاصد کا حصول ممکن ہو۔

پہلی صہیونی کانفرنس (۱۸۹۷ء) کے بعد صہیونیت کے معانی اور نقطہ نظر میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں لیکن یہ سب تبدیلیاں صہیونی مقاصد کے حصول کے لیے تھیں یا ہیں۔ ۱۹۴۸ء سے قبل یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کے عمل کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ ''فلسطین میں ایک الگ یہودی معیشت اور معاشرے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ دنیا بھر سے یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت میں اضافہ کیا جائے تا کہ برسرزمین حقائق کی تحقیق ہو سکے۔ ۱۹۵۱ء میں تیسری یہودی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں یہودیوں کے اولین مقصد میں تبدیلی کی گئی اور اب یہ مقصد ''اسرائیلی ریاست کا استحکام'' قرار پایا جو اسرائیل میں یہودیوں کے ارتکاز اور

یہودی قوم میں اتحاد واتفاق کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۹۷ء کی کانفرنس کے ایجنڈے اور مقاصد کے حصول کے لیے کانفرنس کے منتظمین نے استعماری قوتوں کے احوال کا مطالعہ کیا تو برطانیہ کو انہوں نے سب سے موزوں اور مناسب استعماری قوت پایا جو اس امر پر متفق ہو سکتا تھا کہ ''اسلامی ممالک کے وسط میں ایک دائمی بیماری کی داغ بیل ڈالی جائے جو مغرب کے زیر اثر ہو جبکہ یہودی بھی قومی وطن کے قیام میں رغبت رکھتے ہیں اور اکثر عرب ممالک برطانیہ کے زیر استعمار تھے تو انہوں نے برطانیہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کی کوششیں شروع کر دیں اور اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے برطانیہ کے وزیر خارجہ (بالفور) سے ایک معاہدہ ۱۹۱۷ء میں جو اعلان ''بالفور'' کے نام سے شہرت رکھتا ہے اس تاریخی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے ضمنی طور پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ۱۹۰۷ء میں استعماری ممالک برطانیہ، ہالینڈ، فرانس اور بلجیم نے اپنے ممالک اور استعمار باقی رکھنے کے لیے ایک اجتماع اس بات پر غور و خوض کے لیے رکھا کہ کون سے عوامل اختیار کر کے استعماریت کو باقی رکھا جا سکتا ہے۔ ان کی قراردوں سے جو بات سامنے آئی جو ''کومل باٹرمینن'' کی تقریر سے معروف ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''کہ استعمار کے خلاف خطرہ بحر ابیض متوسط کی جانب سے متوقع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دونوں اطراف شرقی اور جنوبی ایک ہی قومیت آباد ہے جن کے پاس ایک تاریخ ایک دین اور ایک ہی زبان ہے اور یہ تمام باتیں باہمی ربط اور اکٹھے رہنے کے قوی اسباب ہیں اور اس اتحادی نکتہ پر قدرتی خزانے اور شوق آزادی مستزاد ہے۔ اگر ان علاقوں کو جدید وسائل اور یورپی صناعت کاری میں جکڑ دیا جائے اور تعلیم کے نام پر جال پھیلا دیا جائے تو مغربی استعمار کے خلاف فیصلہ کن وار مشکل ہو جائے گا تو مشترکہ مفادات رکھنے والے ممالک کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس خطہ کو ہمیشہ ٹکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم کیے رکھیں اور یہاں کے باشندوں کو ایسے افتراق و اختلاف کی کیفیت میں رکھیں اور یہ منصوبہ اس کا بھی مستلزم ہے کہ اس خطہ کے افریقی حصہ کو ایشیائی خطہ سے کاٹ دیا جائے۔ یہ کمیٹی اس مقصد کے لیے ایک اجنبی انسانی قومی آڑ قائم کرنے کی تجویز پیش کرتی ہے جو اس پل کو تباہ کر دے جو ایشیا کو افریقہ کے ساتھ ملاتا ہے۔ جس کی تشکیل اس خطہ میں قناۃ سویس کے قریب ہو یہ آڑ مضبوط بھی

ہو اور استعمار کا گہرا دوست اور اس علاقہ کے باشندوں کا سخت ترین دشمن ہو۔ (تاریخ المشرق العربی ص ۴۹۳)

برطانیہ نے اعلان کیا کہ یہودیوں کو فلسطین میں قومی طور پر سکونت کا حق دیا جاتا ہے اور یہ کہ برطانیہ اس کے لیے مقدور بھر جدوجہد کرتا رہے گا۔ یہودیوں نے اس وقت فلسطین کی جانب نقل مکانی شروع کر دی تھی جب فلسطین برطانیہ کے زیر کمان تھا۔ برطانیہ کی سرپرستی سے یہودیوں کو مملکت کے اندر مملکت کی داغ بیل ڈالنا آسان ہو گیا۔ برطانوی حکومت یہودیوں کو مسلمانوں کے غیظ و غضب سے بھی بچاتی اور ہر قسم کا نرم رویہ بھی رکھتی۔ جبکہ ان کے بالمقابل مسلمانوں کے ساتھ انتہائی سختی اور ذلیل کرنے والا رویہ اختیار کرتی۔ جب برطانیہ یہودیوں کی آرزوؤں کی تکمیل میں کمزور ہوا تو معاملہ اقوام متحدہ جس کی کمان امریکہ کر رہا ہے کے حوالہ کر دیا گیا۔ جس نے برطانوی دور کی پالیسی اپنائی، اقوام متحدہ نے وفود اور کمیشن فلسطین بھیجے۔ ان وفود اور کمیشنوں نے یہودی نقشے اور امریکی دباؤ کے تحت فلسطین کی تقسیم کا فارمولا مرتب کیا اور ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو فلسطین کو مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین تقسیم کر دیا گیا۔

برطانوی حکومت نے فلسطین سے انخلاء کے وقت اعلان کیا کہ یہاں کے باشندوں کے لیے ہم یہ سرزمین خالی کر کے جا رہے ہیں۔ یہ اعلان اس یقین کے بعد کیا کہ یہودی اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے پر قادر ہیں اور اب یہودی اس پوزیشن میں ہیں کہ اقتدار ان کے حوالہ کیا جائے۔ مئی ۱۹۴۷ء میں برطانوی حکومت کے انخلاء کے ساتھ ہی یہودیوں نے اپنی مملکت کے قیام کا اعلان کیا اور اعلان کے صرف گیارہ منٹ بعد امریکہ نے اس مملکت کو تسلیم کر لیا جبکہ روس امریکہ سے سبقت لے جا چکا تھا۔ اس وجہ سے یہ نوزائیدہ مملکت اس طرح اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی بھی۔ اسرائیل نے مسلمانوں سے کئی جنگیں لڑیں۔ شکست و ریخت کے ساتھ مسلمانوں کا خون بھی بہا۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے آپس میں تفرقہ اور ٹکڑے ٹکڑے اور ان میں سے بعض کی خیانت کی وجہ سے ہوا۔ عربوں کو ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء میں اسرائیل کے ہاتھوں بہت بری طرح شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ وقوعہ اگر کسی چیز پر دلالت کرتا ہے تو صرف عربوں کے آپس کے اختلافات

اور نظام کے فساد کی وجہ سے گرے پڑے ننگ انسانیت قسم کے لوگوں کے سامنے ان کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا اور جس نظام کو عربوں نے اپنایا اور مسلسل ناکامیوں شکستوں اور ذلتوں سے دوچار رہے اس میں دلیل ہے کہ نیشنلزم، سوشلزم اور جمہوریت جیسے نظام جن کو عربوں نے اختیار کیا ہوا ہے، میں کسی حادثہ کے بالمقابل سینہ سپر ہونے کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ ان ممالک کی ناکامیوں، ان سے شرم و عار کے نہ ختم ہونے اور ان کا حق ان کو نہ ملنے کے اسباب میں سے قوی سبب یہی نظام ہیں جس کو اہل عرب نے اختیار کر رکھا ہے۔

یہ حکومت ہنوز امت اسلامیہ کے وسط میں قائم ہے جس سے شر اور فساد کے پھوارے پھوٹ رہے ہیں۔ جب تک اس کی جڑیں نہ کاٹ دی جائیں یہودی تو زمانہ قدیم سے ایک بیماری ہے۔ جہاں بھی یہ جاتے ہیں اس جگہ کے لوگوں میں شر، فساد و دشمنی کا بیج بو دیتے ہیں۔ مغربی ممالک نے امت مسلمہ کے وسط میں اس شر کے اس ڈھانچہ کو جگہ دے کر دو عظیم مقصد حاصل کیے:

پہلا مقصد یہ کہ انہوں نے اپنے آپ کو یہودیوں کے شر اور فساد سے اپنے ممالک اور ممالک کے وسائل کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا۔

دوسرا مقصد یہ کہ امت مسلمہ کے وسط میں ایک ایسی حکومت انہوں نے قائم کر دی جو ان کی حلیف ہونے کیساتھ ایک ایسی علت اور بیماری بھی ہے جو امت مسلمہ کی خون ریزی کرنے میں مصروف ہے اور امت مسلمہ میں اختلاف اور تفرقہ کے ایسے بیج بو رہی ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کا ڈھانچہ قائم نہیں رہ سکتا۔

ان کا یہ منصوبہ برابر جاری اور گردش ایام اس پر گواہ ہیں اور روز بروز ان کا ہدف واضح تر اور یہودیوں کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آتی جارہی ہے۔ مسلمان جب تک ماضی کے تلخ ترین تجربات اور مستقبل کے لیے بصیرت اور دور اندیشی کی آنکھ نہیں کھولیں گے تو احوال کو تبدیل کرنے پر ان کو کوئی قدرت نہ ہوگی بلکہ امت مسلمہ کے مصائب اور مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔

یہودیوں کا دعویٰ کہ ان کا فلسطین پر دینی اور تاریخی حق ہے

یہ بات پہلے آ چکی ہے کہ بنی اسرائیل سیدنا حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے سلسلہ نسب سے ہیں اور پہلی مرتبہ فلسطین میں ان کا آنا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ اس وقت ہوا تھا، جب میدان تیہ میں قتال کے پہلے حکم کی خلاف ورزی کی تھی اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں فوت ہو چکے تھے بنی اسرائیل کے آنے سے پہلے فلسطین میں تین قبائل تھے۔

۱- فینیقیون، یہ قبیلہ فلسطین میں ۳۰۰۰ء ق م رہا اور بحر ابیض متوسط کے شمالی خطہ کو انہوں نے مستقر بنایا۔

۲- کنعانیون، یہ ۲۵۰۰ ق م آئے۔ فینیقیون کے جنوب میں رہے اور فلسطین کے وسطی خطہ کو انہوں نے اپنا مستقر بنایا۔

یہ مہاجر قبیلے تھے جو جزیرہ نمائے عرب سے آئے تھے۔ ان کے بعد ایک جماعت ۱۲۰۰ ق م میں جزیرہ کریت سے آئی جو فلستین کے نام سے موسوم تھے۔ انہوں نے ''یافا'' اور ''غزہ'' کے درمیان بحر ابیض متوسط پر قیام کیا۔ کنعانیون ان کو فلسطین کے نام سے پکارتے تھے اور پھر ان کا یہ نام مستقل پڑ گیا اور جیسا کہ یہودیوں کی کتاب میں اور اس خطہ کی تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ یہ قبائل مسلسل فلسطین میں رہتے رہے۔ ان کے اور بنی اسرائیل اور یہود کے درمیان اکثر لڑائیاں رہتی تھیں۔ اس علاقہ میں یہود کا وجود عرصہ تک رہا۔

تاریخی نقطہ نظر سے یہ بات واضح ہے کہ یہودی فلسطین کے سب سے پہلے آباد کار نہیں ہیں بلکہ یہود یا یہود کے کچھ قبائل مختلف اوقات میں اس وقت آئے جب فلسطین دوسرے قبائل کے زیر تسلط تھا اور کچھ حصوں پر انہوں نے غلبہ حاصل کیا۔ دینی نقطہ نظر سے قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد بزبانِ سیدنا موسیٰ علیہ السلام وارد ہوا:

یا قوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب الله لکم ولا ترتدوا علی ادبار کم فتنقلبوا خاسرین'' (المائدہ ۲۱)

ترجمہ: ''اے قوم داخل ہو جاؤ پاک زمین میں جو مقرر کر دی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑو گے نقصان میں۔''

اللہ کریم کا ارشاد ''کتب اللہ لکم'' جو اللہ نے مقرر کر دی تمہارے لیے کے بارے میں ابن اسحاق کہتے ہیں ''التی وھب اللہ لکم'' جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہبہ کر دی ہے اور علامہ سدی رحمہ اللہ نے فرمایا ''التی امر کم اللہ بھا'' جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حکم کر دیا ہے۔ امام قتادہؒ نے فرمایا ''امر القوم بھا کما أمرنا بالصلاۃ و الزکاۃ و الحج و العمرۃ'' کہ قوم کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم اس طرح کا حکم ہے۔ جس طرح ہمارے لیے اللہ کا حکم نماز زکوٰۃ حج اور عمرے کا حکم ہے۔ بعض علماء کی رائے کے مطابق ''کتب اللہ لکم'' تملیک کے لیے نہیں ہے اور بعض کے نزدیک تملیک تو ہے لیکن اس شرط پر کہ وہ داخل ہو جائیں اور بعض کی رائے کے مطابق یہ ان کے لیے ہبہ ہے۔ اس سے ''کتب اللہ لکم'' کے معنی ظاہر ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس میں فلسطین پر ان کے استحقاق پر کوئی استدلال نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ان کی حالت ایمانی میں بہت سارے انعامات کرتا ہے۔ وہ انعامات ان کے لیے صرف ان کی ایمانی حالت کے زمانہ کے لیے ہوتے ہیں اور اگر وہ اپنی حالت کو کفر کی حالت میں تبدیل کر دیں تو ان نعمتوں پر ان کا کوئی استحقاق باقی نہیں رہتا اور بنی اسرائیل کو جب اللہ تعالیٰ نے داخل ہونے کا حکم کیا تو انہوں نے انکار کر دیا تو اللہ نے ارض مقدس میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا اور جب انہوں نے اللہ کے حکم کو مان لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کر دیا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا ''التی وعد کموھا اللہ علی لسان أبیکم اسرائیل انہ وراثۃ من آمن منکم''

ترجمہ: ''جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے ساتھ تمہارے والد اسرائیل کی زبان مبارک سے کیا۔ یہ تم میں سے صرف ایمان والوں کی وراثت ہے۔''

یہ ان کے لیے صرف ان کے ایمان کی حالت میں تھا حالت کفر میں ان کا اس پر کوئی حق نہ تھا۔ اس پر اللہ کریم کا ارشاد شاہد ہے:

فاوحی الیھم لنھلکن الظالمین ولنسکننکم الارض من بعدھم ذالک لمن خاف مقامی وخاف وعید" (ابراہیم ۱۴)

ترجمہ: "تب حکم بھیجا ان کو ان کے رب نے کہ ہم غارت کریں گے ان ظالموں کو اور آباد کریں گے تم کو زمین میں ان کے بعد یہ ملتا ہے اس کو جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اور میرے عذاب کے وعدے کے خوف سے ڈرتا ہے۔"

اور فرمایا:

"ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر أن الارض یرثھا عبادی الصالحون" (الانبیاء ۱۰۵)

ترجمہ: "اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ آخر زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے، جبکہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ کے انبیاء کا کفر کیا۔ اللہ نے ان پر عذاب، غضب اور لعنت لکھ دی تو ارض مقدس پر ان کا کوئی حق نہیں بلکہ اللہ کے ایمان والے بندوں کا حق ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ان الارض یرثھا عبادی الصالحون"

عصر حاضر کے یہودیوں کا بنی اسرائیل کی نسل سے ہونے کا غلط دعویٰ

ہمارے ہم عصر یہودی یہ دعویٰ کرتے اور پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ ہم ان بنی اسرائیل کی نسل میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے فلسطین کو آباد کیا تھا۔ اپنے زعم میں یہ لوگ اپنے آپ

کو ان پہلے اسرائیلیوں کا وارث سمجھتے ہیں جو فلسطین میں تھے اور اس کے ساتھ یہودی اس دعویٰ کو بھی پوری قوت اور زور شور سے پھیلا رہے ہیں کہ یہودی جنس دوسری امتوں کی آمیزش اور اختلاط سے پاک صاف ہے گویا بزعم خویش یہودی محفوظ جنس ہیں۔ اس میں دراصل یہودیوں کا ہدف انتہائی خطرناک اور ان کے وجود کے لیے انتہائی ناگزیر ہے۔ وہ یہ کہ اپنے اس دعویٰ میں وہ اپنے آپ کو عیسائیوں کی نظر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور ذریت میں باور کرانا چاہتے ہیں اور اس باور کرانے سے وہ عہد قدیم کے بنی اسرائیل کے بارے میں وعدوں کو اپنے لیے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس بے بنیاد دعویٰ سے وہ عیسائیوں کی ہمدردی توجہ اور احسان اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ خاص کر اس صورت میں کہ ہم جانتے ہیں کہ عیسائی تورات کو مقدس سمجھتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ جو کچھ اس میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔

لیکن حقائق یہودیوں کی جنس کی آمیزش محفوظ ہونے کے دعوے کی تکذیب کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ان کی رنگت اور ہیئت کا اختلاف ان کی مختلف جنسیت پر دلالت کرتا ہے۔ ان میں یورپی رنگت و ہیئت والے بھی ہیں اور عربی رنگت و ہیئت والے بھی اور افریقی رنگت والے بھی۔ اس بدیہی اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ قطعی درست نہیں کہ ان کی اصل ایک ہی ہے اور یہ اختلاف رنگ و نسل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ دوسری اقوام کے ساتھ لازمی اختلاط پایا گیا جس کی وجہ سے یہ مختلف نشانات و نام کے حامل ہیں۔

پھر یہودی اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ ان میں سے بہت سوں نے اجنبی خواتین کے ساتھ شادیاں کیں اور ان کی خواتین نے اجنبی مردوں کے ساتھ شادیاں رچالی تھیں (سفر القضاہ ۵/۳)۔ یہاں تک کہ اس بات کی نسبت وہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی کرتے ہیں۔ (سفر الملوک (۱۱/۱-۳)

جیسا کہ اس بات کے تاریخی طور پر بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ ۸ء میں خزر حکومت کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور اس سے پہلے وہ بت پرست ترکی آریہ تھے۔ وہ وسط ایشیا میں آباد تھے اور ان کی حکومت کو مملکت خزر کہا جاتا تھا جو بحر اسود اور بحر قزوین کے درمیانی خطہ پر واقع تھی۔ جس نے شمال آذربائیجان، آرمینیا، یوکرائن اور جنوب ایشیا کے

تمام علاقہ ماسکو روس کے دارالحکومت تک گھیرا ہوا ہے۔ بحر قزوین کو بحر الخزر بھی کہا جاتا تھا۔ یہودی انسائیکلوپیڈیا میں الخزر کے بارے میں یہ بیان آیا ہے کہ "الخزر اصلاً ترکی قبیلہ تھا ان کی زندگی اور تاریخ ابتداً روس کے یہودیوں کی تاریخ سے ملتی جلتی ہے۔"

ان پر بدوی قبائل نے جبر کیا کہ جنوبی روس کے علاقوں میں الخزر حکومت کو ۸۵۵ء میں فرنگیوں کی آمد اور روسی حکومت کی بنیاد رکھنے سے پہلے مضبوط کریں اور اس وقت یعنی ۸۵۵ء میں مملکت الخزر انتہائی قوی تھی جو ہمیشہ تباہ کن جنگوں میں حصہ لیتی اور جان کی بازی لگاتی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں الخزر حکومت کا بادشاہ اور بڑے بڑے سرداروں کی کثیر تعداد اور قوم کی بہت بڑی تعداد نے بت پرستی کو چھوڑ کر یہودی دین اختیار کر لیا۔ ساتویں اور دسویں صدی عیسوی کی درمیانی مدت میں الخزر حکومت کے تمام علاقوں میں یہودی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔ نویں صدی عیسوی میں تقریباً تمام الخزر قبائل یہودی ہو گئے اور بہت کم وقت میں انہوں نے یہودیت قبول کی۔ یہ حکومت روس کی وجہ سے ختم ہوئی جس نے اس کا معاملہ تمام کر کے اس کی سرزمین پر قبضہ کیا یورپ کے نقشہ سے اس مملکت کا نام اور وجود تیرھویں صدی عیسوی میں ختم کیا گیا اور اس مملکت کے باشندوں کو یورپ کے مشرقی اور مغربی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مشرقی یورپ کے ممالک ہنگری، پولینڈ، رومانیا اور روس میں ان کی کثیر تعداد آباد رہی۔

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یہودی جن کو اشکنازیم کہا جاتا ہے وہ یورپی یہودی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور ہم بحیثیت مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر ان کی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام یا ان کی اولاد کی ہو بھی جائے تو تب بھی ہمارے موقف میں اس وقت تک تبدیلی نہیں آ سکتی جب تک یہ یہودی ہمارے بالمقابل متحارب اور ہمارے بھائیوں پر ظلم کرنے والے ہوں۔ اس لیے کہ نسب کا کفر کے ساتھ کوئی فائدہ نہیں اور اسلام کے ہوتے ہوئے نسب کی کوئی حاجت و ضرورت نہیں ہے۔

اسرائیل کا مسئلہ

ہمارے ہاں اچانک یہ بحث شروع کر دی گئی کہ ہمیں اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے اور ایسا کرنا پاکستان کے مفاد میں ہے۔ یہ بحث کیوں شروع ہوئی اور کس نے یہ بحث شروع کی اس بحث کے پس پردہ محرکات کیا ہیں اور سامنے کن لوگوں کو رکھ کر بحث کا آغاز کیا گیا۔ کن قوتوں کے اشارہ سے یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے؟ اس کا جائزہ لینا ہمارے بس کا کام نہیں ہے اور نہ ہی بے جا کسی پر کوئی الزام تراشی ہم کرنا چاہتے ہیں۔

یہ مقتدرہ قوتوں کا کام ہے کہ وہ ایسی ہر سازش اور سازشی عناصر کی خبر رکھیں اور جس قدر مناسب ہو اس کا سدباب کریں کیونکہ یہ ایک حساس قسم کا مسئلہ ہے اور پاکستانی مسلمان عوام اسرائیل اور یہود کے حوالے سے بے حد جذباتی ہیں۔ جو عناصر بار بار مختلف عنوانوں سے اس بحث کو شروع کرتے ہیں ان کے پیچھے موجود قوتوں تک پہنچنا پاکستان کی محبِ وطن حکومت اور ہر محبِ وطن سیاسی رہنما کا کام ہے اور ان کا فرض ہے کہ ان عناصر کو بے نقاب کریں تا کہ بار بار وہ سادہ لوح عوام کو گمراہ نہ کر سکیں جو حضرات اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کرتے ہیں وہ بطور جواز یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ بھارت نے اسرائیل کو تسلیم کر کے ترقی کر لی ہے اور ہم اس ترقی میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس ترقی کی نشاندہی ہونی چاہیے جو ہندوستان نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی وجہ سے کی ہے۔ ہمارے خیال میں ہندوستان کی ترقی کا راز اس میں ہے کہ وہ اپنے ملکی وسائل کو جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر بروئے کار لاتے ہیں۔ انہوں نے ملکی مفاد کا خیال ذاتی مفاد سے مقدم رکھا ہے جبکہ ہم نے ملکی وسائل کو بے دریغ ضائع کیا ہے۔ ہمارے

رہبران قوم سے لے کر ایک عام آدمی تک کو ذاتی مفاد قومی مفاد سے زیادہ عزیز ہے۔ ہمارے ملک کے عوام اور ہمارا ملک روز بروز غربت وافلاس کی طرف بڑھ رہا ہے اور حکمران طبقے امیر تر سے امیر ترین ہوتے جا رہے ہیں۔ دونوں میں سے ترقی ایک ہی کرے گا یا تو ملک ترقی کرے گا اور یا حکمران۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے مکان کی دیوار گری ہوئی تھی تو کسی نے ان سے عرض کیا کہ امیر المومنین آپ کے مکان کی دیوار منہدم ہو گئی ہے۔ آپ اس کو درست کیوں نہیں فرماتے تو فرمانے لگے کہ یا تو ہماری دیواریں بنیں گی یا رعایا کی۔ ہماری منہدم ہوں گی تو رعایا کی تعمیر ہوں گی اور رعایا کی منہدم ہوں گی تو ہماری تعمیر ہوں گی اور ہماری بربادی کا راز بھی یہی ہے کہ ہمارے حکمران روز بروز آباد ہو رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا ہمارے ملک میں جو شخص ایک دفعہ کسی حکومتی پرکشش عہدے پر فائز ہو جائے اس سے زندگی بھر کے لیے غربت کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ ہمیں اپنے اس طرز عمل کی اصلاح کرنی چاہیے۔

پھر یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ ان دونوں ممالک کی نوعیت بجائے خود قابل غور ہے۔ بھارت اور اسرائیل کے مابین ہونے والے سمجھوتوں اور معاہدوں میں تجارتی سمجھوتوں کی نسبت دفاعی سمجھوتوں کو اہمیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں ممالک میں سے ایک قبلہء اول پر قابض ہے تو دوسرا وادی جنت نظیر پر پنجے گاڑے ہوئے ہے اور دونوں کو جہادی تحریکوں کا سامنا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسرائیل جو بھارت کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ بھارت نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کا ازلی دشمن ہے اور اسرائیل بھی اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کا دشمن ہے۔ دراصل ان دونوں کی یہ نظریاتی قدر مشترک ہی وہ حقیقی نکتہ ہے جس کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

بھارت اور اسرائیل دونوں عالم کفر کے سرکردہ ملکوں میں شامل ہیں اور کفر چونکہ ایک ہی

ملت ہے اس لیے یہ ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتے اور ایک دوسرے کو ترقی کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ورنہ کچھ اسلامی ممالک نے بھی تو اسرائیل کو تسلیم کیا ہے۔ اسرائیل کا ان کو ترقی کا موقع فراہم کرنا تو دور کی بات آج تک ان کے اور اسرائیل کے تعلقات میں وہ گرم جوشی پیدا نہیں ہو سکی جو اسرائیل اور بھارت کے درمیان ہے یا جو اسرائیل اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بات صرف تسلیم کرنے سے نہیں بنے گی بلکہ اسرائیل سے ترقی کے اسباب حاصل کرنے کے لیے کفر اختیار کر کے مذہبی اشتراک بھی ضروری ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جا رہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لا کر یہود مدینہ سے ''میثاق مدینہ'' نامی معاہدہ کر کے ان کو تسلیم کیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی نظر میں اسرائیل کو تسلیم کرنا سنت نبوی ہے اور تارک سنت گناہ گار ہوتا ہے اس لیے ان کی خواہش یہ ہے کہ ہماری قوم اور ملک ترک سنت کے گناہ میں مزید مبتلا نہ ہو اور اسرائیل کو تسلیم کر کے فوراً سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنا چاہیے۔

ہم اگلی سطور میں ان شاء اللہ اس بات کا جائزہ پیش کریں گے کہ میثاق مدینہ کیا ہے اس میں کون سی شرائط اور دفعات شامل ہیں اور آیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلیم کیا تھا یا آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اسرائیل یہودی ایسی قوم ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس لیے ان سے ہمیشہ محتاط رہیں کبھی ان کے لیے نرم گوشہ اختیار نہ کرنا ورنہ نقصان کے ذمہ دار خود ہو گے۔

پہلے ہم میثاق مدینہ اور یہود کی طرف سے اس کی خلاف ورزی نقل کر کے اس کے بعد قرآن کریم سے یہود کی اسلام دشمنی اور اللہ اور رسول کی توہین کے دلائل پیش کریں گے اور جزیرۃ العرب سے یہود کے اخراج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کر کے فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑیں گے کہ ان حالات اور واقعات کی روشنی میں ان کو تسلیم کرنا صحیح ہے کہ نہیں۔

میثاق مدینہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا اس کے مندرجات حسب ذیل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری عہد نامہ ہے محمد نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے درمیان مسلمانان قریش و یثرب کے اور یہود کے جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں۔ ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر امور ذیل کا پابند ہوگا:

۱- قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل وانصاف کے ساتھ قائم رہیں گے۔

۲- ہر گروہ کو عدل وانصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس کے چھڑانے کے لیے زرفدیہ دینا اسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

۳- ظلم اثم وعدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق ہوں گے اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گی۔ اگرچہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۴- کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔

۵- ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جو کسی اعلیٰ رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔

۶- جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ اس کے مقابلہ میں کسی کی کوئی مدد کی جائے گی۔

۷- کسی کافر یا مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے مابین حائل ہو۔

۸- بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

۹- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لازم ہوگی۔

۱۰- جو قبائل اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

۱۱- کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانا دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا یا اس کو اپنے پاس ٹھکانا دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے۔ قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔

۱۲- مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں تو یہود کے لیے بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔

۱۳- جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ ولی مقتول دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔

۱۴- جب بھی کوئی اختلاف یا جھگڑا پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج ا ص ۳۵۴ از علامہ کاندھلوی البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۲۴)

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ یہ تین قبیلے تھے بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ (سیرۃ النبی ج اول)

علامہ ابن کثیرؒ نے یہود بنو عوف، یہود بنو نجار، یہود بنی الحارث اور بنو ساعدہ، بنو جشم اور بنو الاوس بنو ثعلبہ بنو جفنہ اور بنو شنطہ کا ذکر بھی معاہدہ میں لکھا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۲۴)

علامہ کاندھلوی لکھتے ہیں ''مگر تینوں قبائل نے یکے بعد دیگرے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور اسلام کی دشمنی اور خلاف سازشوں میں پورا پورا حصہ لیا اور اپنے کیے کی سزا بھگتی۔''

(سیرۃ المصطفیٰ حصہ اول ص ۳۵۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ یہ معاہدہ صلح و آشتی کیا لیکن یہود نے جن کی سرشت میں نقض عہد، بددیانتی، حسد، مکروفریب، دھوکا دہی، اپنے مفاد کا حصول شامل ہے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بنوقینقاع

سب سے پہلے یہود بنوقینقاع نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کو توڑ ڈالا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بنوقینقاع پہلے یہودی تھے جنہوں نے اس معاہدہ کو جوان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا تھا توڑا تھا اور جنگ بدر اور جنگ احد کی درمیانی مدت میں مسلمانوں سے لڑائی لڑی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴)

نقض عہد کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بنوقینقاع کے بازار میں گئے اور ان کو جمع کر کے وعظ فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو جیسے بدر میں قریش پر عذاب نازل ہوا کہیں تم پر نازل نہ ہو جائے اسلام کو قبول کر لو۔ تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں تم اپنی کتاب میں بھی یہ لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد بھی لیا ہے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۵۲۱ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵)

یہود بنوقینقاع یہ سن کر بھڑک اٹھے اور کہا کہ تم اس دھوکا میں ہرگز نہ رہنا کہ تم نے قریش پر فتح پائی۔ قریش ایک ناتجربہ کار اور فنون حرب سے نابلد قوم تھی اور اگر ہم سے تمہارا مقابلہ ہوا تو تم دیکھ لو گے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے ہم مرد ہیں۔

(سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم البدایہ والنہایہ جلد چہارم ص ۵)

علامہ زرقانی بحوالہ ابن سعد لکھتے ہیں اصل میں تو یہود معاہدہ توڑ چکے تھے کہ واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش کی اور حسد ظاہر کی اور عہد کو توڑا۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۳۶ زرقانی ج ۱ ص ۵۳۶)

لیکن بظاہر ایک واقعہ رونما ہوا جس سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ ایک انصاری کی بیوی مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان پر نقاب پوش دودھ فروخت کرنے کے لیے آئی۔ دکاندار ان کا نقاب اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ انہوں نے انکار کیا یہودی نے ان کی لاعلمی میں ان کے کپڑے کا پلو پیچھے باندھ دیا تو جب وہ اٹھ کر چلیں تو کپڑا اگر گیا وہ بے پردہ ہو گئیں۔ یہودی اس بے حرمتی پر خوب کھلکھلا کر ہنسے۔ اس خاتون نے ایک چیخ ماری جس پر ایک مسلمان نے تیش میں آ کر اس بدخصلت یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ مسلمان اس واقعہ پر غضب ناک ہو گئے۔ اس طرح بنو قینقاع کے ساتھ جنگ شروع ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ بن عبدالمنذ رکو مقرر فرما کر ان کی طرف بھیجا وہ اپنے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ بالآخر مجبور ہو کر سولھویں دن قلعہ سے نیچے اتر آئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منت سماجت کر کے ان کی جان بخشی کروائی اور قتل ہونے سے ان کو بچایا لیکن اپنا مال واسباب لے کر ان کو ذرمات ملک شام کی طرف جلاوطن ہونا پڑا۔

(سیرۃ النبیؐ جلد اول/ سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم/ البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۵)

بنو نضیر

میثاق مدینہ میں دوسرا بڑا قبیلہ یہود بنو نضیر کا تھا۔ ان کا معاہدہ کو توڑنے کا واقعہ اس طرح ہوا کہ عمرو بن امیہ ضمری بئر معونہ سے واپس مدینہ منورہ آ رہے تھے راستہ میں قبیلہ بنو عامر کے دو مشرک ان کے ساتھ ہو گئے۔ جب یہ تینوں مقام قناۃ پر پہنچے تو یہ لوگ باغ میں ٹھہر گئے۔ جب دونوں مشرک سو گئے تو عمرو بن امیہ ضمری نے یہ سوچ کر کہ اس قبیلے کے سردار عامر بن طفیل نے ستر مسلمان شہید کیے ہیں فی الحال تو سب کا انتقام مشکل ہے بعض کا انتقام تو لے لوں اس لیے ان دونوں کو انہوں نے قتل کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے عہد و پیمان تھا لیکن عمرو بن امیہ کو اس کی خبر نہ تھی۔

مدینہ پہنچنے پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ تو ہمارا عہد و پیمان تھا اس لیے ان کی دیت خون بہا دینا ضروری ہے۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں کی دیت روانہ کر دی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۲۱۴ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۷۳ فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۴) بنونضیر بھی بنو عامر کے حلیف تھے اس لیے معاہدہ کی رو سے کچھ رقم دیت کی بنونضیر کے ذمہ بھی واجب الادا تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیت کی رقم وصول کرنے کے لیے بنونضیر کے پاس گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت سعد بن معاذؓ حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ آپ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

بنونضیر نے بظاہر خندہ پیشانی سے آمادگی ظاہر کی لیکن در پردہ ایک آدمی مقرر کیا جو چھت پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر پھینک دے تاکہ آپ اس کے نیچے دب کر مر جائیں۔ سلام بن شکم نے ان کو کہا کہ ایسا نہ کرو اس لیے کہ اللہ کریم ان کو اس سازش کی خبر دے دیں گے اور یہ بدعہدی بھی ہے۔

جبرئیل امینؑ نے آکر اس سازش کی اطلاع آپ کو کر دی۔ آپ فوراً واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے جب بقیہ صحابہ آپ کی تلاش میں مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ نے ان کو بنونضیر کی سازش کی خبر دی اور ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بنونضیر کے بہت مضبوط قسم کے قلعے تھے ان کو ان قلعوں پر گھمنڈ تھا وہ ان میں گھس گئے۔ کچھ منافقین کی حمایت اور حیی بن اخطب کے پیغام نے ان کا دماغ مزید خراب کر دیا تھا۔ اسی دوران انہوں نے ایک اور سازش کی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے ہمراہ تین آدمی لے آئیں ہمارے تین عالم آپ سے گفتگو کریں گے۔ اگر وہ مطمئن ہو کر مسلمان ہو گئے تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے لیکن در پردہ ان کو کہا کہ اپنے ساتھ خنجر لے جاؤ جب وہ بات چیت کے لیے آئیں تو خنجر کا وار کر کے ان کو ختم کر دیں اس سازش کی اطلاع بھی اللہ کریم نے آپ کو کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ چھ یا پندرہ دن تک صحابہؓ

نے ان کا محاصرہ کیا۔ بالآخر وہ ذلیل وخوار ہو کر امن کے طلب گار ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دس دن کی مہلت دے کر مدینہ طیبہ سے جلاوطنی کا حکم دے دیا یہ مدینہ سے نکل کر خیبر اور وہاں سے ملک شام کی طرف چلے گئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ حصہ دوم/ البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۷۷)

بنو قریظہ

بنو نضیر مدینہ طیبہ سے نکل کر خیبر پہنچے وہاں جا کر انہوں نے بہت بڑی سازش شروع کر دی۔ ان کے رؤسا میں سے اسلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع مکہ معظمہ چلے گئے اور قریش سے کہا کہ تم ساتھ دو تو اسلام کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے قریش آمادہ ہو گئے۔ پھر یہ قبیلہ غطفان کے پاس گئے ان کو لالچ دی کہ خیبر کے محاصل میں نصف ہمیشہ تمہیں دیا جائے گا۔ بنو اسد غطفان کے حلیف تھے اس لیے وہ بھی تیار ہو گئے۔ قبیلہ بنو سلیم قریش کی قرابت کی وجہ سے تیار ہو گئے۔ الغرض مسلمانوں کے خلاف (بتصریح فتح الباری) دس ہزار کا لشکر تیار ہو گیا۔

بنو قریظہ کے یہود اب تک اس پوری کارروائی سے لاتعلق تھے۔ بنو نضیر نے ان کو ملانے کی کوشش کی حیی بن اخطب (ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے والد) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔ حیی بن اخطب نے کہا میں فوج کا بحر بیکراں لایا ہوں قریش اور تمام عرب اُمڈ آیا اور ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے۔ یہ موقع ضائع کر دینے کے قابل نہیں۔ اب اسلام کا خاتمہ ہے کعب ابھی بھی راضی نہ تھا اس نے کہا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ صادق الوعد پایا ہے۔ ان سے عہد شکنی خلاف مروت ہے لیکن حیی کا جادو رائیگاں نہ جا سکا بالآخر اس نے کعب کو راضی کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو آپ نے تحقیق حال اور اتمام حجت کے لیے حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو روانہ کیا اور ان کو فرمایا کہ اگر واقعتاً بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہو تو واپسی پر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا تا کہ لوگوں میں بددلی نہ پھیلے ان دونوں حضرات نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ

محمد کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے۔ بنو قریظہ کی وجہ سے مخالف فوج میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ قریش یہود اور قبائل عرب کی فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ منورہ کے تینوں اطراف سے اس طرح حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی جس کے نتیجہ میں جنگ احزاب یا جنگ خندق ہوئی۔ الغرض جنگ احزاب میں مشرکین، یہود اور قبائل عرب کو سخت ہزیمت ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔ قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت کی تھی تو وہ حسب وعدہ حیی بن اخطب کو ساتھ لائے جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔

اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ہتھیار نہ کھولے جائیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں۔ قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آئے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن دیا جاتا لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ فوج سے آگے بڑھ کر حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو یہود نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں۔ چنانچہ ان کا محاصرہ کیا گیا تقریباً ایک ماہ محاصرہ رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے فیصلہ دیا کہ ان میں جو لڑنے والے ہیں ان کو قتل کیا جائے۔ عورتیں بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے یہ فیصلہ یہودیوں کے مذہب اور توراۃ کے مطابق تھا۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۵۳ البدایہ والنہایہ جلد چہارم ص ۷۷)

میثاق مدینہ کے مندرجات اور دفعات آپ نے ملاحظہ فرما لیے۔ مدینہ کے یہودیوں کی طرف سے اس معاہدہ امن کی صرف خلاف ورزی ہی نہیں کی گئی بلکہ انہوں نے باقی یہودیوں کو بھی معاہدہ کی خلاف ورزی پر آمادہ کیا جو یہودی پر امن رہنا چاہتا تھا اس کو پر امن رہنے نہیں دیا اور صرف یہود کی بات نہیں بلکہ انہوں نے مشرکین کے پاس جا کر ان کو بھی آمادہ جنگ کیا اور تمام عرب قبائل کو اکٹھا کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی ان کو نقض عہد سے باز رکھنے کی کوشش فرماتے رہے لیکن وہ اسلام کے خاتمہ اور بیخ کنی کی کوشش میں مصروف تھے۔ نتیجہ یہ نکلا جو مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا۔ اب اس تفصیل کے بعد کوئی ذی شعور ہمیں بتائے کہ اس میں یہودیوں کو تسلیم کیے جانے کا سوال کس طرح پیدا ہوا؟

پھر یہود اگر ایسے معاہدہ امن کو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی نقض عہد کا احتمال بھی نہیں، برقرار نہ رکھ سکے اور اس کی خلاف ورزی کر کے ذلت اور رسوائی اپنے لیے مقدر کی تو آج کے یہودی اس زمانہ کے مسلمانوں کے ساتھ کس معاہدہ کی پاسداری کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مقدس جماعت کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کو تو انہوں نے یک طرفہ طور پر ختم کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور آج کے زمانہ میں ان سے یہ توقع کی جائے کہ اگر ان سے معاہدہ کر لیا جائے اور ان کو تسلیم کر لیا جائے تو پاکستان ترقی کرے گا۔ ہمارے خیال میں یہ سوچ کسی مثبت فکر رکھنے والے محبّ اسلام محبّ وطن پاکستانی کی نہیں ہو سکتی۔ یہود سے خیر کی کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی ان میں شر کے علاوہ کوئی اور مادہ ہے ہی نہیں۔

یہودیوں کی گھٹی میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ عداوت بھری ہوئی ہے۔ اللہ کریم نے ان کے مکر وفریب کا حال قرآن کریم کی مختلف آیات میں مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ تاکہ مسلمان ان کی اسلام دشمنی کا حال معلوم کر لیں اور ان سے کسی خیر کی توقع نہ رکھیں۔ اب اس ضمن میں قرآن کی آیات ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ ہمیں نیکی اور تقویٰ کی توفیق عنایت فرمائے اور گناہوں سے محفوظ فرمائے۔

اللہ سے کیے ہوئے اقرار کی خلاف ورزی

یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت واوفو بعھدی اوف بعھدکم وایای فارھبون (البقرۃ آیت ۴۰)

ترجمہ: ''اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کیے اور تم پورا کرو میرا اقرار میں پورا کروں گا تمہارا اقرار اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''تورات میں یہ اقرار کیا کہ تم توراۃ کے حکم پر قائم رہو گے اور جس پیغمبر کو میں بھیجوں اس پر ایمان لا کر اس کے رفیق رہو گے تو ملک شام تمہارے قبضے میں رہے گا (بنی اسرائیل نے اس کو قبول کر لیا تھا) مگر پھر اقرار پر قائم نہ رہے بدنیتی کی۔ رشوت لے کر غلط مسئلے بنائے حق کو چھپایا اپنی ریاست جمائی' پیغمبر کی اطاعت نہ کی بلکہ بعض پیغمبروں کو قتل کیا توراۃ میں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تھی اس کو بدل ڈالا اس لیے گمراہ ہوئے۔'' (تفسیر عثمانی ج ا ص ۸۴ مرتب علامہ ولی رازی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

القول الثانی ان المراد من ھذا العھد ما اثبتہ فی الکتب المتقدمۃ من وصف محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانہ سیبعثہ علیٰ ما صرح بذالک فی سورۃ المائدۃ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۴)

ترجمہ: ''عہد سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف ہیں جو سابقہ کتب میں مذکور تھے اور یہ کہ وہ عنقریب مبعوث ہوں گے جیسے

کہ سورۃ مائدہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

مزید تحریر فرماتے ہیں۔

وقال ابن عباس ان اللہ تعالیٰ کان عھد الیٰ بنی اسرائیل فی التوراۃ انی باعث من بنی اسماعیل نبیاً امیاً فمن تبعه وصدق بالنور الذی یاتی به' ای بالقرآن. غفرت له ذنبه وادخلته الجنة وجعلت له اجرین اجراً باتباع ماجاء به موسیٰ وجاء ت به سائر انبیاء بنی اسرائیل واجراً ما جاء به محمد النبی الامی من ولد اسماعیل (کبیر ج۳ص۳۵)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ میں بنی اسرائیل سے یہ اقرار لیا تھا کہ میں بنو اسماعیل سے ایک نبی امی مبعوث کرنے والا ہوں پس جو ان کی اتباع کرے گا اور جو نور (یعنی قرآن) وہ لے کر آئیں گے اس کی تصدیق کرے گا۔ میں اس کے گناہ بخش دوں گا اور اس کو میں دوہرا اجر دوں گا ایک اجر تو حضرت موسیٰ اور جملہ انبیاء بنی اسرائیل کی اتباع کا اور ایک اجر اولاد اسماعیلؑ میں محمد النبی الامیؐ پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کرنے کا۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وقال الزجاج "اوفوا بعھدی" الذی عھدت علیکم فی التوراۃ من اتباع محمد صلی اللہ علیه وسلم "اوف بعھدکم" بما ضمنت لکم علیٰ ذالک ان اوفیتم به فلکم الجنة (الجامع لاحکام القرآن ج۱ص۳۳۲)

ترجمہ: زجاج نے کہا ''تم میرا عہد پورا کرو'' یعنی وہ جو میں نے تم سے توراۃ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا لیا تھا ''میں تمہارا عہد پورا کروں گا'' جو اس عہد کو پورا کرنے پر تم سے کہا گیا تھا کہ اگر تم نے اس عہد کو پورا کرلیا تو تمہارے لیے جنت کی ضمانت ہے۔''

علامہ زمخشری ''ولا تکونوا اول کافربه'' (پہلے انکار والے نہ بنو) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وھذا تعریض بانه کان یجب ان یکونوا اول من یومن به لمعرفتھم به وبصفته ولانھم کانوا المبشرین بزمان من اوحیٰ الیه و المستفتحین علی الذین کفروا به و کانوا یعدون اتباعه اول الناس کلھم فلما بعث کان امرھم علی العکس (کشاف ج۱ص۱۳۱)

ترجمہ: ''یہ اس بات کی تعریض ہے کہ ان پر واجب تھا کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے ہوتے کیونکہ وہ ان کو اور ان کی صفات کو جانتے تھے اور ایک زمانہ سے یہ صاحب وحی کے بارے میں خوشخبری دیا کرتے تھے اور صاحب وحی کی وجہ سے یہ منکرین پر طلب فتح بھی کیا کرتے تھے اور یہ وعدہ کیا کرتے تھے کہ ان پر تمام لوگوں سے پہلے ہم ایمان لائیں گے لیکن جب وہ مبعوث ہوئے تو ان کا معاملہ باقی لوگوں کی بہ نسبت الٹا ہو گیا ایمان میں پہل کرنے کے بجائے یہ انکار میں پہل کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''واوفوا بعھدی اوف بعھدکم'' قال بعھدی الذی اخذت فی اعناقکم للنبی صلی اللہ علیه وسلم اذا جاء کم انجزلکم وعدتکم علیه من تصدیقه واتباعه بوضع ما کان علیکم من الاصار و الاغلال التی کانت فی اعناقکم بذنوبکم التی کانت من احداثکم وقال الحسن البصری وھو قوله تعالی ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیباً وقال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰة واتیتم الزکوٰة وآمنتم برسلی عزرتموھم واقرضتم اللہ قرضاً حسناً لا کفرن عنکم سیأتکم ولا دخلنکم جنت تجری من تحتھا الانھر (ابن کثیر)

ترجمہ: ''تم میرا اقرار پورا کرو میں تمہارا اقرار پورا کروں گا'' یعنی وہ عہد جو میں نے تمہاری گردنوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ

دیا تھا کہ جب وہ آ جائیں تو ان کی اتباع کرنا اور ان کی تصدیق کرنا۔ تو میں تمہارے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کروں گا کہ تمہاری گردنوں پر تمہاری بدعات کی وجہ سے گناہوں کے جو بوجھ اور طوق پڑے ہوئے ہیں وہ میں دور کردوں گا۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عہد اللہ کریم کا یہ ارشاد گرامی ہے "اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کیے ان میں بارہ سردار اور کہا اللہ تعالیٰ نے میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قائم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے ان کی اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض تو دور کروں گا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں۔

مزید تحریر فرماتے ہیں:

وقال آخرون هو الذی اخذالله علیهم فی التوراة انه سیبعث من بنی اسماعیل نبیاً عظیماً یطیعه جمیع الشعوب والمراد به محمد صلی الله علیه وسلم فمن اتبعه غفر الله له ذنبه وادخله الجنة وجعل له' اجرین وقد اورد الرازی بشارات کثیرة عن الانبیاء علیهم السلام بمحمد صلی الله علیه وسلم (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۲۶)

ترجمہ: "باقی مفسرین نے کہا کہ عہد سے مراد وہ عہد ہے جو توراۃ میں ان سے لیا گیا تھا وہ یہ کہ عنقریب بنو اسماعیل میں ایک عظیم الشان نبی مبعوث کیا جائے گا تمام اقوام ان کی اطاعت کریں گی۔ مراد اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس نے ان کی اتباع کی اللہ اس کے گناہ بخش دے گا اور جنت میں داخل کرے گا اور دوہرا اجر دے گا۔"

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

خطاب لطائفة خاصة من الکفرة المعاصرین للنبی صلی الله علیه وسلم

بعد الخطاب العام، واقامة دلائل التوحيد والنبوة والمعاد و التذكير بصنوف الانعام وجعله سبحانه وتعالیٰ بعد قصة آدم، لأن هو لاء بعد ما أوتوا من البیان الواضح والدلیل اللائح وامروا ونهوا وحرضوا علیٰ اتباع النبی الامی الذی یجدونه متکوباً عندهم، ظهر منهم ضد ذالک، فخر جوا عن جنة الایمان الرفیعة و هبطوا الیٰ ارض الطبعیة وتعرضت لهم الکلمات. الا انهم لم یتلقوها بالقبول، ففات منهم مافات، واقبل علیهم بالنداء لیحر کهم لسماع ما یرد من الاوامروا لنواهی (روح المعانی ج-ص ۲۴۱)

ترجمہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر کفار کی ایک جماعت کو خطاب عام کے بعد خطاب خاص ہے۔ دلائل توحید' دلائل رسالت اور دلائل معاد کے بعد اور مختلف النوع انعامات کی یاددہانی کے بعد یہ خطاب ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ کے بعد ان کو اس لیے مخاطب فرمایا کہ جب ان کو واضح بیانات اور روشن دلائل دیے گئے اور ان کو امر اور نہی کی گئی اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بارے میں یہ اپنے پاس لکھا ہوا موجود پاتے تھے کے اتباع پر ابھارا گیا اور ان سے اس کے خلاف عمل ظاہر ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ ایمان کی بلند جنت سے نکل کر طبعی زمین پر آ گئے۔ ان کے سامنے کھلے کلمات بھی آئے لیکن انہوں نے ان کلمات کو بھی قبول نہ کیا۔ تو جو ان سے فوت ہونا تھا وہ فوت ہو گیا۔ اللہ نے پھر ان کو متوجہ کرنا چاہا تا کہ ان کو متحرک کر دیں ان اوامر اور نواہی کے سننے کی طرف جو اللہ سبحانہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔''

علامہ جمال الدین القاسمی لکھتے ہیں:

یابنی اسرائیل ای اولاد یعقوب وقد هیجهم تعالیٰ بذکر ابیهم اسرائیل کانه قیل، یا بنی العبد الصالح المطیع لله کونوا مثل ابیکم کما تقول یا ابن

الكريم، افعل كذا، ويا ابن العالم، اطلب العلم، (اذكروا نعمتى التى انعمت عليكم) قال ابن جرير نعمه التى انعم بها علىٰ بنى اسرائيل، اصطفاء ه منهم الرسل وانزاله عليهم الكتب، واستنقاذه اياهم مما كانوا فيه من البلاء والضراء من فرعون وقومه الى التمكين لهم فى الارض، وتفجير عيون الماء من الحجر واطعام المن والسلوىٰ فامرجل ثناء ه اعقابهم ان يكون ما سلف منه الىٰ آبائهم علىٰ ذكر. وان لا ينسوا ضيعته الى اسلافهم وآبائهم فيحل بهم من النقم، ما احل بمن نسيى نعمه عنده منهم و كفرها وحجدصنائعه عنده (واوفوا ابعهدى اوف بعهدكم وآياى فارهبون) العهد هو الميثاق، وقد اشير اليه فى قوله تعالى "ولقد اخذ الله ميثاق بنى اسرائيل وبعثنا منهم اثنى عشر نقيبا، وقال الله انى معكم، لئن اقمتم الصلاة وآتيتم الزكاة وآمنتم برسلى وعذر تموهم واقرضتم الله قرضاً حسنا لا كفرن عنكم سيأتكم ولا دخلنكم جناتٍ تجرى من تحتها الأنهار فعهد الله هو وصيته لهم بما ذكر فى الاية ومنها الايمان برسله المتناول لخاتمهم، عليه السلام لأنهم يجد ونه مكتوباً عندهم فى التوراة، وعهده تعالىٰ اياهم هوانهم اذا فعلوا ذالک أدخلهم الجنة وقوله تعالى (واياى فارهبون) قال ابن جرير اى اخشونى واتقوا ايها المضيعون عهدى من بنى اسرائيل. والمكذبون رسولى الذى اخذت ميثاقكم فيما انزلت على انبيائى ان تؤمنوا به وتتبعوه ان احل بكم من عقبوتى ان لم تتوبوا الى باتباعه والاقرار بما انزلت اليه. ما أحللت بمن خالف امرى و كذب رسلى من اسلافكم (تفسیر القاسمی ج ۲ ص ۲۸۴)

ترجمہ: ''اے بنی اسرائیل! اے اولاد یعقوب! اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے والد اسرائیل کے نام سے متوجہ کیا اور ان کو برانگیختہ کیا۔ یہ اس طرح ہے کہ کسی کو کہا جائے اے نیک صالح اللہ کے مطیع بندے کے بیٹو! اپنے والد کی طرح ہو جاوٴ۔ یا کہا جاتا ہے اے اچھے آدمی کے بیٹو

ایسا کر دیا کہا جائے اے عالم کے بیٹو! علم حاصل کرو۔ (یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کی ہیں) ابن جریر کہتے ہیں وہ نعمتیں مراد ہیں جو اللہ نے بنی اسرائیل پر کیں۔ ان میں سے رسول بنانا اور ان پر کتابوں کا نازل کرنا، فرعون اور اس کی قوم کی جانب سے جو یہ تکلیف و مصیبت میں مبتلا تھے اس سے ان کو بچانا اور دوسری جگہ زمین میں قوت دینا اور جمانا اور پتھر سے ان کے لیے پانی کا نکلنا اور ان کو من وسلویٰ کھلانا، اللہ جل شانہ نے پچھلوں کو حکم ارشاد فرمایا کہ تمہارے اسلاف پر انعامات کیے گئے تھے۔ تم ان کو یاد رکھو، تمہارے اسلاف اور آباء و اجداد کے ساتھ اللہ جو معاملہ رہا ہے اس کو نہ بھولیں ورنہ تم کو بھی اس طرح عذاب کا نشانہ بننا پڑے گا جس طرح وہ لوگ نشانہ بنے جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کو بھلا دیا تھا اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ حسن معاملہ کا انکار کیا (تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو) عہد سے مراد وہ میثاق ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا (اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب سردار بھیجے، اور اللہ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور مدد کرو گے ان کی اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے تو میں داخل کروں گا تم کو ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ اللہ کا عہد یہ حکم ہے جو اللہ نے ان کو دیا۔ اس حکم میں ایک حکم انبیاء کرام پر ایمان بھی ہے جو خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ ان کے بارے میں وہ اپنے پاس توراۃ میں لکھا ہوا موجود پاتے تھے اور اللہ کا عہد ان کے ساتھ یہ ہے کہ جب وہ یہ کام کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں

داخل کرے گا اور اللہ کا ارشاد (مجھ ہی سے ڈرتے رہو)۔

ابن جریر فرماتے ہیں:

''اے میرے عہد کو ضائع کرنے والے بنی اسرائیل مجھ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور اے میرے انبیاء کی تکذیب کرنے والو میں نے تم سے عہد و میثاق لیا تھا جو میں نے انبیاء پر نازل کیا تھا۔ میں نے کہ تم ان پر ایمان لاؤ اور ان کی اتباع کرو ورنہ میرا عذاب تم پر نازل ہو جائے گا اگر تم ان کے اتباع کے ساتھ میری طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو کچھ ان پر نازل کیا اس کا اقرار نہ کیا۔ میں تم کو ایسا عذاب دوں گا جیسا کہ میں نے ان لوگوں کو عذاب دیا تھا جنہوں نے میرے حکم کی مخالفت کی تھی اور میرے رسولوں کی تکذیب کی تمہارے اسلاف میں سے۔''

علامہ ابوحیان لکھتے ہیں:

ویحتمل قوله اذكروا الذكر باللسان والذكر بالقلب فعلى الاول يكون المعنى امروا النعم علىٰ ألسنتكم ولا تغفلوا عنها فان امرارها على اللسان ومدارستها سبب فى ان لا تنسىٰ وعلى الثانى يكون المعنىٰ تنبهوا للنعم ولا تغفلوا عن شكرها وفى النعمة المامور شكرها او بحفظها اقوال ما استودعوا من التوراة التى فيها صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم أوما انعم به علىٰ اسلافهم من انجائهم من آل فرعون و اهلاک عدوهم وايتائهم التوراة ونحو ذالک قاله الحسن والزجاج او ادراکهم مدة النبى صلى الله عليه وسلم اوعلم التوراة او جميع النعم علىٰ جميع خلقه وعلىٰ سلفهم وخلفهم فى جميع الاوقات علىٰ تصاريف الاحوال واظهر هذه الاقوال ما أختص به بنو اسرائيل من النعم الظاهر البحر المحيط ج ص ۱۷۲

ترجمہ: ''یاد کرو'' کا جملہ احتمال رکھتا ہے۔ ذکر باللسان اور ذکر بالقلب کا اگر ذکر باللسان مراد ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ نعمتوں کا تذکرہ تمہاری

زبانوں پر جاری رہنا چاہیے۔ تم اس سے غفلت نہ برتو' اس لیے کہ زبان سے بار بار تذکرہ اور اس کو عادت بنا لینا سبب ہے اس کا کہ نعمت بھولی نہیں جا سکے اور دوسری صورت میں معنی ہوگا کہ نعمتوں کے لیے متنبہ رہا کرو اور شکر کرنے سے غفلت نہ برتو۔ جس نعمت کے شکر کرنے اور حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے سے کون سی نعمت مراد ہے۔ اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ اس سے مراد توراۃ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تھیں یا جو ان کے اسلاف پر انعامات کیے گئے کہ ان کو فرعون سے نجات دی گئی اور ان کے دشمن کو ہلاک کیا گیا اور ان کو توراۃ دی گئی وغیرہ۔ یہ امام حسن اور امام زجاج کا قول ہے یا ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو پانا اور تورات کا علم ہونا ہے یا اللہ کی تمام نعمتیں جو تمام مخلوق پر ہیں اگلے لوگوں پر اور پچھلے لوگوں پر تمام واقعات اور تمام احوال میں ان تمام اقوال میں ظاہر یہ ہے کہ وہ نعمتیں مراد ہیں جو بنی اسرائیل پر خاص طور سے کی گئی ہیں۔

یہود بطور نفاق اظہار حق کرنے والوں کو بھی ملامت کرتے تھے

واذالقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلا بعضھم الیٰ بعض قالوا أتحدثونھم بما فتح اللہ لیحاجوکم بہ عند ربکم افلاتعقلون (البقرہ آیت نمبر۷۶)

ترجمہ: ''اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں کہ مسلمان ہوئے
اور جب تنہا ہوتے تو کہتے تم کیوں کہتے ہو ان سے جو ظاہر کیا اللہ نے تم
پر تا کہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے تم نہیں سمجھتے۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے نبی آخرالزمان کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے تھے اور دوسرے ان میں سے ان کو اس بات پر ملامت کرتے تھے کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخرالزمان کو حق جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔'' (تفسیر عثمانی ص۹۳)

علامہ رازیؒ لکھتے ہیں:

اعلم ان ھذا ھوا النوع الثانی من قبائح افعال الیھود الذین کانوا فی زمن محمد صلی اللہ علیہ وسلم والمروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان منافقی اھل الکتاب کانوا اذا لقوا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم قالوا لھم امنا بالذی آمنتم بہ ونشھد ان صاحبکم صادق وان قولہ حق

ونجد بنعته وصفته فی کتابنا ثم اذا خلا بعضهم الٰی بعض قال الرؤسا لهم أتحدثونهم بما فتح الله علیکم فی کتابه من نعته وصفته یحاجوکم به فان المخالف اذا اعترف بصحة التوراة واعترف بشهادة التوراة علٰی نبوة محمد صلی الله علیه وسلم فلاحجة اقویٰ من ذالک فلا جرم کان بعضهم یمنع بعضاً من الاعتراف بذالک عند محمد صلی الله علیه وسلم واصحابه قال القفال (فتح الله علیکم) ماخوذ من قولهم قد فتح علٰی فلان فی علم کذا ای رزق ذالک وسهل له طلبه (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۷)

ترجمہ: ”جان لو کہ یہ ان یہودیوں کے قبیح فعلوں کی دوسری قسم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ منافقین اہل کتاب جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ملتے تو ان کو کہتے کہ جس پر تم ایمان لائے ہو ہم بھی لائے ہیں اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ تمہارے نبی سچے ہیں اور جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ حق اور سچ ہے اور ان کی تعریف اور ان کے صفات اپنی کتاب میں موجود پاتے ہیں لیکن جب ایک دوسرے کے ساتھ تنہا ہوتے تو ان کے سرداران کو کہتے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف اور صفات جو تم پر ظاہر کردی ہیں وہ تم ان کے سامنے کیوں بیان کرتے ہو یہ تم کو اس کی وجہ سے جھٹلائیں گے۔ اس لیے کہ مخالف نے اگر توراۃ کی صحت کا اقرار کرلیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ پر اس نے توراۃ کی شہادۃ کا بھی اعتراف کرلیا تو پھر اس سے بڑھ کر اور کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ پس اس وجہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے پاس اعتراف کرنے سے ایک دوسرے کو منع کیا کرتے تھے۔“

امام قفال کہتے ہیں کہ ”فتح اللہ علیکم“ اس محاورے سے ماخوذ ہے کہ فلاں پر علم ظاہر کردیا

گیا یعنی اس کو یہ علم عطا کیا گیا اور اس کی طلب اس کے لیے آسان کردی گئی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله تعالیٰ واذا لقوا الذين آمنوا قالوا امنا هذا فی المنافقين واصل لقوا لقيوا وقد تقدم واذا خلا بعضهم الیٰ بعض الآیه فی الیهود. وذالک ان ناسا منهم اسلموا ثم نافقوا فكانوا يحدثون المؤمنين من العرب بما عذب به آباؤهم فقالت لهم اليهود "اتحدثو نهم بما فتح الله عليكم" ای حكم الله عليكم من العذاب ليقولوا نحن اكرم على الله منكم. عن ابن عباسؓ والسدی وقيل ان علياً رضی الله تعالیٰ عنه لما نازل قريظه يوم خيبر سمع سب رسول الله صلى الله عليه وسلم فانصرف اليه وقال يا رسول لا تبلغ اليهم وعرض له فقال اظن سمعت شتمی منهم لو راو نی لكفوا عن ذالک ونهض اليهم فلما راؤه امسكوا فقال لهم أنقضتم العهد يا اخوة القردة والخنازير اخزاكم الله وانزل بكم نقمته فقالوا ما كنت جاهلاً يا محمد فلا تجهل علينا من حدثک بهذا ما خرج هذا الخبر الا من عند ناروی هذا المعنی عن مجاهد (الجامع لاحکام القرآن ج۲ص۴)

ترجمہ: اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ "جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔" یہ منافقین کے بارے میں ہے اور یہ ارشاد کہ "جب ایک دوسرے کے ساتھ الگ ہوتے ہیں" یہ یہود کے بارے میں ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر منافق ہو گئے تو وہ عرب اہل ایمان کے سامنے اپنے آباء و اجداد کے عذاب کے بارے میں بتایا کرتے تھے تو باقی یہودیوں نے ان کو کہا کہ تم کیوں کہتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے تم پر اللہ نے یعنی اللہ کے عذاب کا جو حکم تم پر ہوا تھا کیونکہ یہ مسلمان پھر کہیں گے کہ اللہ کے ہاں ہم تم سے زیادہ عزت والے ہیں۔ یہ معنی حضرت ابن عباسؓ اور

سدیؒ نے بیان کیا اور بعض نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خیبر میں یہود بنو قریظہ کے ساتھ جنگ کر رہے تھے تو انہوں نے سنا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کر رہے ہیں۔ آپ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عرض کی حضرت آپ ان کے پاس تشریف نہ لے جائیں اور کچھ اشارہ کنایہ میں بات کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شاید تم نے ان سے میرے بارے میں گالی گلوچ سنی ہے۔ اس وجہ سے تم کہہ رہے ہو لیکن جب مجھے دیکھ لیں گے تو اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر ان کی طرف چل پڑے اور ان کو فرمایا کہ اے بندر اور خنزیر کے بھائیو تم نے عہد و پیان توڑ دیا اللہ تم کو رسوا کرے اور تم پر اپنا عذاب نازل کرے۔ یہودیوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ لاعلم نہیں اور ہم پر لاعلمی کا مظاہرہ نہ کریں آپ کو کس نے یہ خبر دی پھر کہا یہ خبر ہمارے اپنوں سے ہی ان تک پہنچی ہوگی۔ اس آیت کا یہ مطلب مجاہد نے بیان کیا۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقوله تعالیٰ "واذ لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا" الآیہ. قال محمد بن اسحاق حدثنا محمد بن ابی محمد عن عكرمة وسعيد بن جبير عن ابن عباسؓ قال "واذا لقوا الذين آمنوا قالوا امنا" ای صاحبكم رسول الله ولكنه اليكم خاصة واذا خلا بعضهم الیٰ بعض قالوا لاتحدثوا العرب بهذا فانكم قد كنتم تستفتحون به عليهم فكان منهم فانزل الله "واذا لقوا الذين آمنوا قالوا امنا واذا خلا بعضهم الیٰ بعض قالوا اتحدثو نهم بما فتح الله عليكم ليحا جو كم به عند ربكم" ای تقرون بانه نبی وقد علمتم انه قد اخذله الميثاق

علیکم باتباعہ وھو یخبر کم انہ النبی الذی کننا ننتظر ونجد فی کتابنا احجدوہ ولا تقروا بہ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۳)

ترجمہ: ''محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت ''اور جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ تمہارے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن یہ صرف تمہارے لیے ہیں اور جب ایک دوسرے کے ساتھ الگ ہوتے تو آپس میں کہا کرتے تھے کہ عربوں کو یہ نہ کہو اس لیے کہ تم اس سے پہلے اس نبی کے ذریعہ اپنی فتح طلب کیا کرتے تھے اور یہ نبی تو انہی میں سے ہو گئے۔ اس پر اللہ کریم نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں تم کیوں ان سے بیان کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تم پر کھول دی یہ جھگڑا کریں گے تمہارے ساتھ قیامت کے دن'' یعنی تم ان کی نبوۃ کا اقرار کرتے ہو اور تم جانتے ہو کہ ان کے لیے تم سے عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ تم ان کی اتباع کرنا اور وہ تم کو بتاتے ہیں کہ جس نبی کا تم انتظار کر رہے تھے وہ یہی ہیں۔ جبکہ ہم بھی اپنی کتاب میں ان کے بارے میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اب تم انکار کر دو اقرار نہ کرو۔

علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

واذا لقوا یعنی الیھود (قالوا) قال منا فقوھم "آمنا" بانکم علی الحق وان محمد الرسول المبشربہ "واذا خلابعضھم" الذین لم ینافقوا "الی بعض" الذین نافقوا "قالوا" عاتبین علیھم "اتحدثونھم بما فتح

الله عليكم" بما بين لكم فى التوراة من صفة محمد او قال المنافقون لأعقابهم يرونهم التصلب فى دينهم اتحدثونهم انكاراً عليهم ان يفتحوا عليهم شياء فى كتابهم فينافقون المومنين وينافقون اليهود "ليحاجو كم به عند ربكم" ليحتجوا عليكم بما انزل ربكم فى كتابه جعلوا محاجتهم به وقولهم فى كتابكم هكذا محاجة عند الله الا تراک تقول هو فى كتاب الله هكذا وهو عندالله هكذا بمعنى واحد (الکشاف للزمخشری ج اص ۱۵۶)

ترجمہ: "جب ایمان والوں سے منافق یہودی ملتے تو کہتے ہم ایمان لائے ہیں کہ تم حق پر ہواور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی رسول ہیں جن کے بارے میں پہلی کتب میں خوشخبری ہے اور جب غیر منافق یہودی منافق یہودیوں سے ملتے تو ان کو ملامت کرتے ہوئے کہتے کہ تم کیوں بیان کرتے ہو ان کے سامنے وہ چیز جو اللہ نے تم پر کھول دی ہے۔ یعنی توراۃ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات یا یہ کہ منافقین غیر منافقین کی دینی صلابت کو دیکھتے ہوئے بطور انکار کے ان کو کہا کرتے تھے کہ تمہاری کتاب میں جو ان کی صفات ہیں وہ کہیں تم ان کے سامنے بیان نہ کر دو تو یہ لوگ مومنین اور یہودیوں دونوں کے ساتھ منافقت کرتے تھے کہ یہ لوگ تم کو تمہارے رب کے سامنے جھٹلائیں گے۔ یعنی تمہارے رب نے تمہاری کتاب میں جو نازل کیا اس سے یہ تم کو جھٹلائیں گے۔ انہوں نے ان کے جھٹلانے کو اس بات سے متعلق کیا یعنی ان کا یہ کہنا کہ تمہاری کتاب میں یہ اس طرح ہے یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا جھٹلانا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ جب یہ کہا جائے کہ وہ اللہ کی کتاب میں اس طرح ہے یا اللہ کے ہاں اس طرح ہے کا معنی ایک ہی ہے۔"

یہود جس کے لیے دعا کرتے رہے اسی سے مکر گئے

ولما جاء ھم کتاب من عنداللہ مصدق لما معھم و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ماعرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین ۸۹ بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیاً ان ینزل اللہ من فضلہ علیٰ من یشاء من عبادہ فباؤ بغضب علیٰ غضب وللکافرین عذابٌ مھین (البقرۃ:۹۰)

ترجمہ: ''اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی تھی اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہو اللہ کی منکروں پر۔ بری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے سو کما لائے غصہ پر غصہ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''ان کے پاس جو کتاب آئی وہ قرآن ہے اور جو کتاب ان کے پاس پہلے سے تھی وہ تورات ہوئی۔ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوئے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ''ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما'' جب حضور پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے۔ یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ

کفر اور انکار ہے قرآن کا اور انکار بھی محض ضد اور حسد کے سبب۔''

حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں ''ایک غضب تو یہ کہ قرآن بلکہ اس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو کر کافر ہوئے دوسرے محض حسد اور ضد سے پیغمبر وقت سے انحراف اور خلاف کیا۔''
(تفسیر عثمانی ص ۹۶)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نزلت فی بنی قریظة و النضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقتادة و المعنی یطلبون من اللہ تعالیٰ ان ینصرھم بہ علی المشرکین کما روی السدی انھم کانوا اذا اشتد الحرب بینھم وبین المشرکین اخرجوا التورات ووضعوا ایدیھم علیٰ موضع ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالوا اللھم انا نسألک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثہ فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علیٰ عدونا فینصرون (روح المعانی ج ۱ ص ۳۲۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی وہ اوس اور خزرج کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی طفیل سے فتح اور کامیابی کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے کہ ہمیں مشرکین پر فتح نصیب فرما جیسا کہ سدی نے بیان کیا کہ جب ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ شدت اختیار کر جاتی تو وہ توراۃ نکال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر کہتے کہ اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اس نبی کے طفیل جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تو اس کو

آخر زمانہ میں مبعوث کرے گا۔ دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں فتح نصیب فرما پس ان کی امداد من جانب اللہ کردی جاتی تھی۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یستنصرون علی المشرکین اذا قاتلوهم قالوا اللهم انصرنا بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعته وصفته فی التوراة ویقولون لا عدائهم من المشرکین قد اظل زمان نبی یخرج بتصدیق ما قلنا فنقتلکم معه قتل عاد و ارم وقیل معنی یستفتحون یفتحون علیهم و یعرفونهم ان نبیاً یبعث منهم قد قرب اوانه. والسین للمبالغة ای یسالون انفسهم الفتح علیهم کا السین فی استعجب واستسخر او یسئال بعضهم بعضاً ان یفتح علیهم "فلما جاء هم ماعرفوا" من الحق "کفروا به" بغیا وحسدا وحرصاً علی الریاسة. (تفسیر کشاف ج۱ص۱۶۴)

ترجمہ: "وہ مدد مانگا کرتے تھے مشرکین کے مقابلہ میں جب ان کی آپس میں لڑائی ہوا کرتی تھی تو وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ نبی آخر الزمان جس کی تعریف اور صفات ہم اپنی کتاب توراۃ میں پاتے ہیں کے طفیل ہمیں فتح نصیب فرما اور اپنے دشمنوں مشرکین کو کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہم کہتے ہیں ہماری تصدیق کے مطابق ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے، ہم ان کے ساتھ مل کر تم کو عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے اور بعض نے کہا ہے کہ یستفتحون کا معنی یہ ہے کہ وہ مشرکین پر یہ بات کھولا کرتے تھے اور ان کو بتایا کرتے تھے کہ تم میں سے ایک نبی مبعوث ہوگا جس کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے۔ سین مبالغہ کے لیے ہے یعنی اپنے لیے اپنی فتح کا سوال کیا کرتے تھے یا

ایک دوسرے سے بیان کرنے کا سوال کیا کرتے تھے پس جب ان کے پاس آیا وہ حق جس حق کو انہوں نے پہچان بھی لیا یہ سرکشی اور حسد اور سرداری کی حرص کی وجہ سے منکر ہو گئے۔"

علامہ رازی لکھتے ہیں:

اعلم ان هذا نوع من قبائح اليهود واما قوله تعالىٰ كتاب فقد اتفقوا ان الكتاب هوا القرآن لأن قوله تعالىٰ "مصدق لما معهم" يدل علىٰ ان هذا الكتاب غير مامعهم وما ذاك الا القرآن (تفسیر کبیر ج۳ ص۱۸۰)

ترجمہ: جان لو یہ یہود کے فعل قبیح کی ایک اور نوع اور قسم ہے۔ اللہ کریم نے جو کتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا تو اس پر اتفاق ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اس لیے کہ اللہ کریم نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے یہ دلالت ہے اس بات کی کہ یہ کتاب ان کی کتاب کے علاوہ ہے اور یہ کتاب قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں۔

مزید تحریر فرماتے ہیں:

واما قوله تعالىٰ "وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا" ففى سبب النزول وجوه (احدها) ان اليهود من قبل مبعث محمد عليه السلام و نزول القرآن كانوا يستفتحون اى يسئالون الفتح والنصرة وكانوا يقولون اللهم افتح علينا وانصرنا بالنبى الامى (وثانيها) كانوا يقولون لمخالفهم عند القتال هذا نبى قد اظل زمانه ينصرنا عليكم عن ابن عباس (ثالثها) كانوا يسئالون العرب عن مولده ويصفونه بانه نبى من صفته كذا و كذا ويتفحصون عنه على الذين كفروا اى على مشركى العرب عن ابى مسلم (رابعها) نزلت

فی بنی قریظة والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول الله صلی الله علیه وسلم قبل المبعث عن ابن عباس وقتادہ والسدی (وخامسها) نزلت فی احبار الیهود کانوا اذ قرؤا وذکروا محمداً فی التوراة وانه مبعوث وانه من العرب سألوا مشرکی العرب عن تلک الصفات لیعلموا انه هل ولد فیهم من یوافق حاله حال هذا المبعوث (تفسیر کبیر ج۳ص۱۸۰)

ترجمہ: ''اور اس سے پہلے فتح مانگا کرتے تھے کافروں پر'' اس کے شان نزول کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے پہلے فتح اور نصرت کا سوال کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے اے اللہ ہمیں فتح عطا فرما اور نبی امی کے ذریعہ ہماری نصرت فرما دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ جنگ کے دوران اپنے مخالفین کو کہا کرتے تھے کہ اس نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آ چکا ہے وہ تمہارے مقابلہ میں ہماری امداد کرے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ عرب سے ان کی پیدائش کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور بیان کیا کرتے تھے کہ وہ نبی ہوں گے جن کی یہ یہ صفات ہوں گی اور مشرکین اور دیگر کفار کے بالمقابل وہ تلاش اور جستجو میں رہتے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اوس اور خزرج کے مقابلہ میں آپ کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب وہ توراۃ پڑھا کرتے تھے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کرتے تھے کہ وہ مبعوث ہوں گے اور وہ عرب میں سے ہوں گے تو وہ مشرکین عرب سے ان کی

صفات کے متعلق پوچھا کرتے تھے کہ کیا ان میں کوئی ایسا شخص پیدا ہو گیا ہے جو ان صفات کا حامل ہے جو نبی مبعوث کی ہیں۔''

امام رازی مزید لکھتے ہیں:

''المسالة الثانيه'' يحتمل ان يقال كفروا به لوجوهٍ (احدها) انهم كانوا يظنون ان المبعوث يكون من بني اسرائيل لكثرة من جاء من الانبياء من بني اسرائيل و كانوا يرغبون الناس في دينه ويدعونهم اليه فلما بعث الله محمداً من العرب من نسل اسماعيل صلوات الله عليه عظم ذالك عليهم فاظهروا التكذيب وخالفوا طريقهم الاول (وثانيها) اعترافهم بنبوته كان يوجب عليهم زوال رياستهم واموالهم فابوا واصروا على الانكار (وثالثها) لعلهم ظنوا انه مبعوث الى العرب خاصة فلا جرم كفروا به (تفسیر کبیر ج۳ ص۱۸۱)

ترجمہ: ''ارشاد باری ہے کہ ''انہوں نے اس کا انکار کیا'' اس میں کئی وجوہات کا احتمال ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ گمان کیا کرتے تھے کہ مبعوث ہونے والا نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ اس لیے کہ بنی اسرائیل میں کثرت کے ساتھ انبیاء کرام تشریف لائے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اس نبی کے دین کی طرف لوگوں کو راغب کیا کرتے تھے اور لوگوں کو اس دین کی دعوت بھی دیتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسب سے مبعوث فرمایا تو یہ ان کو بہت ناگوار گزرا۔ انہوں نے تکذیب کا اظہار کیا اور اپنے پہلے والے طریقہ کی مخالفت شروع کر دی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا اعتراف ان کی سرداری ان کے مال کے زوال کا سبب تھا۔ اس لیے انہوں نے انکار کرنے پر ہی اصرار کیا۔

تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شاید انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ تو صرف عرب ہی کی طرف مبعوث ہوں گے تو لازمی بات ہے کہ انہوں نے انکار ہی کرنا تھا۔

رسول اللہ کی دشمنی میں اپنی کتاب کا انکار

ولما جاء هم رسولٌ من عند الله مصدقٌ لما معهم نبذ فريق من الذين اوتوا الكتاب كتاب الله وراء ظهورهم كأنهم لايعلمون

(البقرۃ آیت نمبر ۱۰۱)

ترجمہ: ”اور جب پہنچا ان کے پاس رسول' اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب میں سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔“

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور (مامعهم) سے مراد توراۃ اور کتاب اللہ سے مراد بھی توراۃ ہے یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حالانکہ وہ توراۃ وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہود کی ایک جماعت نے خود توراۃ کو پس پشت ڈال دیا گویا جانتے ہی نہیں کہ یہ کیسی کتاب ہے اور اس میں کیا کیا احکامات ہیں۔سو ان کو جب اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے آگے کیا امید کی جائے۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فان قيل كيف يصح نبذهم التوراة وهم يتمسكون به قلنا اذا كان يدل على نبوة محمد عليه الصلاة والسلام لما فيه من النعت والصفة وفيه وجوب الايمان ثم عدلوا عنه كانوا نابذين التوراة

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰۲)

ترجمہ: ''اگر یہ کہا جائے کہ اپنی توراۃ کو پس پشت ڈالنے اور پھینک دینے کا اطلاق کیسے صحیح ہوگا جبکہ وہ توراۃ کو تھامے ہوئے اس پر عامل تھے؟ ہم کہتے ہیں کہ توراۃ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کے دلائل تھے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور اوصاف تھے جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا واجب تھا لیکن یہ اس سے پھر گئے تو اس طرح یہ توراۃ کو پس پشت پھینکنے والے ہو گئے۔''

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

بین سبحانه فی هذه الآیات حالا من احوالهم هی علة ما یصدر عنهم من جحود وعناد ومعاداةٍ للنبی صلی الله علیه وسلم هی ان فریقاً منهم نبذوا کتاب الله الذی به یفخرون حین جاء الرسول بکتاب مصدق لما بین ایدیهم فان ما فی کتابهم من البشارة بنبی یجیٔ من ولد اسماعیل لا ینطبق الاعلی هذا النبی الکریم

(تفسیر المراغی ج اص ۱۷۸)

ترجمہ: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان آیات میں ان کا ایک حال بیان فرمایا جو کہ علت ہے اس کا جو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور عناد اور دشمنی صادر ہوتی تھی۔ وہ یہ کہ ان میں سے ایک جماعت نے اس کتاب کو جس پر وہ فخر کیا کرتے تھے اس وقت پس پشت ڈال دیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کتاب لے کر آئے جو اس کتاب کی مصدق تھی اس لیے کہ ان کی کتاب میں اولاد اسماعیل میں سے ایک نبی کی آمد کی بشارۃ تھی اور یہ بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر منطبق نہیں ہو رہی تھی۔''

علامہ مراغی اسی آیت کی تفسیر میں مزید لکھتے ہیں:

ای انہ حین جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکتاب مصدق للتوراة التی بین ایدیھم بما فیہ من اصول التوحید وقواعد التشریع وروائع الحکم والمواعظ واخبار الامم العابرہ نبذ فریق من الیھود کتابھم وھو التوراة لانھم حین کفروا بالرسول المصدق لما معھم فقد نبذوا التوراة التی فیھا ان محمداً رسول اللہ واھملوھا اھمالاً تا ماً کأنھم لایعلمون انھا من عند اللہ. (تفسیر المراغی ج۱ص۱۷۹)

ترجمہ: ''یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کتاب لے کر آئے جو اس توراۃ کی مصدق تھی جو ان کے پاس تھی اور اس میں توحید کے اصول اور تشریعی قواعد حکمت کی بلندی بھی تھی اور گزشتہ امم کے واقعات بھی تھے تو یہود کی ایک جماعت نے اپنی کتاب کو پھینک دیا اس لیے کہ جب انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کی کتاب کے مصدق تھے کا انکار کیا تو گویا انہوں نے توراۃ کا انکار کیا جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور انہوں نے اس کو مکمل طریقہ سے چھوڑ دیا گویا کہ وہ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ یہ من جانب اللہ ہے۔''

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وقولہ کتاب اللہ التوراة لانھم لما کفروا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وبما انزل علیہ بعد ان اخذ اللہ علیھم فی التوراة الایمان بہ وتصدیقہ واتباعہ وبین لھم صفتہ کان ذالک منھم نبذاً للتوراة ونقضاً لھم و رفضاً لما فیھا ویجوز ان یراد بالکتاب ھنا القرآن ای لما جاء ھم رسول من عنداللہ مصدق لما معھم من التوراة نبذوا کتاب اللہ الذی جاء بہ ھذا الرسول وھذا اظھر من الوجہ الاول

وقولـه (كـأنهـم لا يـعلمون) تشبيه لهم بمن لا يعلم شيأ مع كونهم يـعـلـمون عـلماً يقينياً من التوراة بما يجب عليهم من الايمان بهذا الـنبـى ولـكـنهم لما لم يعملوا بالعلم بل عملوا عمل من لا يعلم من نبذ كتاب الله ورأ ظهور كانوا بمنزلة من لايعلم (فتح القدیر ج۱ص۱۱۹)

ترجمہ: ''کتاب اللہ سے مراد توراۃ ہے۔اس لیے کہ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا تھا کے ساتھ کفر کیا جبکہ توراۃ میں ان کی صفات بیان کر کے ان سے ان پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے اور ان کی اتباع کرنے کا عہد لیا گیا تھا۔تو یہ ان کی طرف سے توراۃ کو پس پشت ڈالنے اور اس کا عہد توڑنے اور اس کو پھینک دینے کے مترادف ہے اور کتاب سے مراد قرآن لینا بھی جائز ہے یعنی جب ان کے پاس اللہ کے رسول' اللہ کی کتاب جو توراۃ کی تصدیق کرنے والی تھی لے کر آئے تو انہوں نے اس کتاب کو جس کو یہ رسول لے کر آئے تھے پس پشت ڈال دیا۔ یہ وجہ پہلی وجہ کی بہ نسبت زیادہ اولیٰ ہے۔ ''گویا کہ وہ نہیں جانتے'' یہ ان کی تشبیہ ہے ان لوگوں کے ساتھ جو کچھ بھی نہ جانتے ہوں۔ جبکہ حقیقت حال میں وہ علم یقین کی طرح توراۃ سے جانتے تھے کہ ان پر واجب ہے کہ اس نبی پر ایمان لائیں لیکن انہوں نے جب اپنے علم پر عمل نہ کیا بلکہ ایسا طرز اختیار کیا جو نہ جاننے والوں کا ہوتا ہے جنہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہو۔ یہ اس شخص کی طرح ہو گئے جو کچھ بھی نہیں جانتا ہے۔''

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس رضى الله عنه قال ابـن صوريا' لرسول الله صلى الله عـليه وسلم ما جئتنا بشئ نعرفه وما انزل عليك من آية فنتبعك لها

فنزلت (تفسیر کشاف ج۱ص۱۷۱)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابن صوریا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں اور آپ پر کوئی ایسی آیت اور نشانی نازل نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ہم آپ کی پیروی کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد التوراة لان کفرهم بالنبی صلی الله علیه وسلم وتکذیبهم له نبذ لها قال السدی نبذوا التوراة واخذو الکتاب آصف و سحر هاروت وماروت (الجامع لاحکام القرآن ج۲ص۴۱)

ترجمہ: ''کتاب کو پس پشت ڈال دینے سے مراد توراۃ ہے اس لیے کہ ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر اور ان کی تکذیب توراۃ کو پس پشت ڈالنا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ انہوں نے توراۃ کو پھینک دیا اور آصف کی کتاب اور ہاروت و ماروت کے جادو کو لے لیا۔''

یہود کا رسول اللہؐ کے لیے توہین آمیز الفاظ استعمال کرنا

یاایها الذین آمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکافرین عذاب الیم (البقرۃ آیت نمبر۱۰۴)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یہود آ کر آپ کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور حضرت کی باتیں سنتے۔ کوئی بات جو اچھی طرح نہ سنتے اور اس کو مکرر تحقیق کرنا چاہتے تو کہتے راعنا (یعنی

ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو) یہ کلمہ ان سے سن کر مسلمان بھی کہہ دیتے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہے تو انظرنا کہو اس کے معنی بھی یہی ہیں اور ابتدا ہی سے متوجہ ہو کر سنتے رہو تو مکرر پوچھنا ہی نہ پڑے۔ یہود اس لفظ کو بد نیتی اور فریب سے کہتے تھے اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو راعینا ہو جاتا (یعنی ہمارا چرواہا) اور یہود کی زبان میں راعنا احمق کو کہتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) (تفسیر عثمانی ص ۱۰۰)

علامہ محمد بن علی الشوکانی لکھتے ہیں:

قوله "راعنا" اے راقبنا واحفظنا وصيغة المفاعلة تدل علىٰ ان معنى "راعنا" ارعنا ونرعاک واحفظنا نحفظک وارقبنا نرقبک ويجوز ان يكون من ارعنا سمعک ای فرغه لكلامنا. وجه النهی عن ذالک ان هذا اللفظ كان بلسان اليهود سباً. قيل انه فی لغتهم بمعنى اسمع لا سمعت وقيل غير ذالک فلما سمعوا المسلمين يقولون للنبی صلى الله عليه وسلم راعنا طلباً منه أن يراعيهم من المراعاة اغتنموا الفرصة وكانوا يقولون للنبی صلى الله عليه وسلم كذالک مظهرين انهم يريدون المعنى العربی مبطنين انهم يقصدون السب الذی هو معنى هذا اللفظ فی لغتهم وفی ذالک دليل علىٰ انه ينبغی تجنب الالفاظ المحتملة للسب والنقص وان لم يقصد المتكلم بها ذالک المعنى المفيد للشتم سداً للذريعة ودفعاً للوسيلة وقطعاً لمادة المفسدة والتطرق اليه ثم امرهم الله بان يخاطبوا النبی صلى الله عليه وسلم بما لا يتحمل النقص ولا يصلح للتعريض (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۴)

ترجمہ: "راعنا یعنی ہمارا خیال رکھیں اور ہماری حفاظت کیجیے۔ مفاعلہ کا

صیغہ دلالت کرتا ہے کہ راعنا کا معنی ہے کہ تو ہماری رعایت کر ہم تیری رعایت کریں گے۔ تو ہماری حفاظت کر ہم تیری حفاظت کریں گے۔ آپ ہمارا خیال رکھیں ہم آپ کا خیال رکھیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اپنے کانوں کو ہمارے کلام کے لیے فارغ کر دیں۔ اس لفظ کے کہنے سے روکنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ یہودیوں کی زبان میں گالی کے لیے استعمال ہوتا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی زبان میں اس کا معنی ہے سن تو نہ سنایا جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی اس بارے میں کہا گیا ہے۔ جب مسلمانوں نے سنا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راعنا کہہ کر آپ سے رعایت کے خواستگار ہوتے ہیں تو انہوں نے بھی فرصت کو غنیمت جان کر کہنا شروع کر دیا۔ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لفظ سے مخاطب کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے کہ ہماری مراد اس سے عربی کا لفظ ہے اور اندر اندر سے ان کی مراد گالی گلوچ ہوتا تھا یعنی جو مطلب اس لفظ کا ان کی زبان میں تھا۔ اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وہ الفاظ جن میں نقص اور گالم گوچ کا احتمال ہو ان سے بچنا بھی واجب ہے۔ اگرچہ متکلم کی مراد اس سے گالم گلوچ نہ بھی ہو۔ ایسی بات سد ذرائع اور دفع الوسیلہ اور فساد کا اس طرح راہ نہ پالینے کے قبیلے سے ہے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے الفاظ سے مخاطب کیا کریں جن میں نقص اور تعریض کی گنجائش نہ ہو۔''

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کان المسلمون یقولون لرسول الله صلی الله علیه وسلم اذا القی علیهم شیاءً من العلم راعنا یا رسول الله ای راقبنا وانتظرنا وتأن بناحتی نفهمه ونحفظه وکانت للیهود کلمة یتسابون بها عبرانیة او

سريانية وهى "راعنا" فلما سمعوا بقول المومنين افترصوه وخاطبوا به الرسول صلى الله عليه وسلم وهم يعنون به تلك المسبة فنهى المومنون عنها وامروا بما هو فى معناها وهو "انظرنا"

(کشاف للزمخشری ج ۱ ص ۱۷۴)

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو کوئی علم یا وعظ و نصیحت کی بات بتلاتے تو صحابہ عرض کرتے کہ حضرت ذرا ہماری رعایت فرمائیں اور ہمارا انتظار فرمائیں اور کچھ مہربانی فرمائیں کہ ہم آپ کی بات کو سمجھ کر یاد کرلیں اور اسی طرح ایک کلمہ ''راعینا'' تھا جو عبرانی یا سریانی زبان میں یہودی گالی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ جب انہوں نے ایمان والوں کی زبان سے اپنے لفظ کے ساتھ ملتا جلتا لفظ سن لیا تو انہوں نے بھی یہ کلمہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس سے مراد وہ گالی والا لفظ لیا کرتے تھے۔ پس مومنوں کو اس سے منع کر کے وہ لفظ بتا دیا گیا جو اس کے ہم معنی تھا اور کسی قسم کا کوئی غلط مفہوم بھی اس سے نہ نکلتا تھا۔ یعنی ''انظرنا''

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

یاایها الذین آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا نهى سبحانه الصحابة عن كلمة. كانت تدور علىٰ السنتهم حين خطابهم النبى صلى الله عليه وسلم وهى كلمة. راعنا و معناها راعنا سمعك اى اسمع لنا ما نريد ان نسألك عنه ونراجعك القول لنفهمه عنك اى راقبنا وانتظرنا مايكون من شأننا فى حفظ ما تلقيه علينا ونفهمه.

وسبب نهيهم عنها ان اليهود لما سمعوها افترصوها وصاروا

يخاطبون بها النبى صلى الله عليه وسلم لا وين بها السنتهم لموافقة جرسها العربى لكلمة "راعينو" العبرية التى معناها "شرير" فأرشد الله نبيه الكريم لذالك وامر اصحابه ان يقولوا "انظرنا" وهى خير منها واخف لفظاً وتفيد معنى الانظار والامهال نظرت اليه اذا وجهت اليه بصرك ورأيتته (تفسیر المراغی ج ا ص ۱۸۴)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! راعنا نہ کہا کرو اور انظرنا کہا کرو اور سن لو اللہ کریم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایک ایسے کلمہ کے کہنے سے روکا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو خطاب کے دوران صحابہ کی زبان پر جاری رہتا تھا وہ کلمہ ''راعنا'' کا ہے اس کا معنی ہے آپ اپنے کان مبارک کو ہماری طرف متوجہ کیجیے یعنی ہمیں وہ بات سنا دیجیے جو ہم آپؐ سے پوچھنا چاہتے ہیں اور ہم آپؐ سے آپؐ کی بات کی مراجعت چاہتے ہیں تا کہ ہم آپ کی بات کو سمجھ لیں یعنی ہماری نگرانی فرمائیں اور ہمارا اتنا انتظار فرمائیں جو ہمارے حال کے موافق ہو کہ ہم آپ کی کہی ہوئی بات کو حفظ کر لیں اور اس کو سمجھ لیں۔''

اس لفظ سے منع کرنے کا سبب یہ ہوا کہ یہود نے صحابہ سے جب یہ لفظ سنا تو انہوں نے یہ لفظ ان سے لے لیا اور اس لفظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے لگے۔ اپنی زبان کو تھوڑا سا موڑ لیتے کہ اس عربی لفظ کا ترنم ان کے عبرانی ''راعینو'' لفظ کے مشابہ ہو جاتا جس کا معنی ''نعوذ باللہ'' شریر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے یہ بات بتا دی اور صحابہؓ کو حکم فرمایا کہ وہ ''انظرنا'' کہا کریں جو اس سے بہتر بھی ہے اور تلفظ بھی آسان اور ہلکا ہے اور یہ لفظ ڈھیل اور مہلت کا معنی دیتا ہے اور یہ نگرانی کا معنی بھی دیتا ہے جو آنکھ کے دیکھنے سے مستفاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے کسی چیز کو دیکھا یا اس کی طرف نظر کی جب آپ اس کی طرف نظر کریں اور اس کو دیکھیں۔

علامہ رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال قطرب هذه الكلمة وان كانت صحيحة المعنى الا ان اهل الحجاز ما كانوا يقولو نها الاّ عند الهزؤ والسخرية فلا جرم نهى الله عنها. (تفسیر کبیر ج۳ ص۲۲۴)

ترجمہ: ''قطرب نے کہا کہ اس لفظ کا معنی اگرچہ صحیح ہے لیکن اہل حجاز اس کو تمسخر اور مذاق کے وقت ہی استعمال کیا کرتے تھے تو ضروری ہوا کہ اللہ کریم ایسے لفظ سے منع فرمائے۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"يا ايها الذين آمنوا لا تقولوا راعنا" الرعى حفظ الغير لمصلحته سواءً كان الغيرعاقلاً اولا وسبب نزول الآيته كما اخرج ابو نعيم فى الدلائل عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه ان اليهود كانوا يقولون ذالک سراً لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو سبٌ قبيح بلسانهم فلما سمعوا اصحابه عليه الصلاة والسلام يقولون اعلنوا بها. فكانوا يقولون ذالک ويضحكون فيما بينهم فانزل الله تعالىٰ هذه الآية وروى ان سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه سمعها منهم فقال يا اعداء الله عليكم لعنته الله والذى نفسى بيده لئن سمعتها من رجلٍ منكم يقولها لرسول الله صلى الله عليه وسلم لاضر بن عنقه. قالوا او لستم تقولونها فنزلت الآية ونهى المومنون سداً للباب وقطعا للألسنة وابعادا عن المشابهة واخرج عبيد و ابن جرير والنحاس عن عطاءٍ قال كانت (راعنا) لغة الانصار فى الجاهلية فنهاهم الله تعالىٰ عنها فى الاسلام ولعل المراد انهم يكثرونها فى

کلامهم واستعملها الیهود سباً فنهوا عنها (روح المعانی ج ا ص ۳۴۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم راعنا کا لفظ نہ کہو۔ رعی دوسرے کی مصلحت کی وجہ سے اس کی حفاظت کرنے کو کہتے ہیں چاہے وہ عاقل ہو یا غیر عاقل۔ آیت کا شان نزول جو ابو نعیم نے دلائل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ یہود یہ سب کچھ آہستہ آہستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کرتے تھے اور یہ لفظ ان کی زبان میں قبیح قسم کی گالی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ان سے سنا تو علی الاعلان وہ یہ کلمہ کہنے لگے پھر یہودی بھی زور سے کہنے لگے اور کہنے کے بعد خوب ہنستے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ کلمہ یہودیوں کو کہتے ہوئے سنا تو فرمایا اے اللہ کے دشمنو تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کسی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔ اس پر یہودیوں نے کہا کہ تم مسلمان بھی تو یہی جملہ کہتے ہو۔ تو مسلمانوں کو بھی شر کے دروازہ کو اور ان کی زبان بند کرنے اور مشابہت سے بچنے کے لیے اس سے منع کر دیا گیا اور حضرت عطاء کہتے ہیں کہ ''راعنا'' کا لفظ جاہلیت میں انصار کی زبان کا لفظ تھا اور زمانہ اسلام میں اللہ کریم نے اس لفظ کے استعمال سے منع کر دیا اور شاید اس سے مراد یہ ہو کہ وہ بکثرت اس لفظ کا استعمال کیا کرتے تھے اور یہود نے بطور سب وشتم اس کا استعمال شروع کر دیا۔ تو اس لفظ کے استعمال سے روک دیا گیا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نهی الله عباده المومنین ان یتشبهوا بالکافرین فی مقالهم وفعالهم

وذالک ان الیهود کانوا یعانون من الکلام مافیه توریة لما یقصدونه من التنقیص علیهم لعائن الله فاذا ارادوا ان یقولوا اسمع لنا یقولوا راعنا و یرون من الرعونة (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۲۱)

ترجمہ: ''اللہ کریم نے اپنے مومن بندوں کو کفار کے ساتھ اقوال وافعال میں مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا یہ اس وجہ سے کہ یہود وہ کلام اختیار کیا کرتے تھے جس میں ان کے تنقیص والے مقصد کا پہلو ہوتا تھا (ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں) جب وہ ہماری بات سن لیجیے کہنے کا ارادہ کرتے تو اس موقعہ پر ''راعنا'' کا لفظ استعمال کرتے جس سے وہ فی الحقیقت رعونۃ مراد لیتے۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ذکر شیاءً آخر من جهالات الیهود و المقصود نهی المسلمین عن مثل ذالک (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷)

ترجمہ: ''اللہ کریم نے یہود کی جہالت کی ایک اور چیز بیان فرمائی اور مقصود اس سے مسلمانوں کو اس جیسے کلام کرنے سے روکنا ہے۔''

یہود صرف اپنے ماتحتوں سے خوش ہوتے ہیں

ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ ولئن اتبعت اھواء ھم بعد الذی جاء ک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۲۰)

ترجمہ: ''اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا تو کہہ دے جو راہ اللہ بتلا دے وہی راہ سیدھی ہے اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار۔''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ کو امر حق سے سروکار نہیں اپنی ضد پر اڑے رہے ہیں۔ وہ کبھی تمہارا دین قبول نہیں کریں گے۔ بالفرض اگر تم ہی ان کے تابع ہو جاؤ تو خوش ہو جائیں گے اور یہ ممکن نہیں تو اب ان سے موافقت کی امید نہ رکھنی چاہیے۔
(تفسیر عثمانی ص ۱۰۳)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

لیس غرضھم یا محمد بما یقترحون من الآیات ان یؤمنوا بل لو آتیتھم بکل ما یسئالون لم یرضو عنک وانما یرضیھم ترک ما انت علیہ من الاسلام واتباعھم (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۹۳)

ترجمہ: ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آپ سے سوالات کرنے کی

غرض یہ نہیں کہ یہ مطمئن ہو کر ایمان لے آئیں گے۔ بالفرض اگر آپ ان کے پاس وہ سب کچھ لے آئیں جو یہ طلب کرتے ہیں تو یہ پھر بھی آپ سے راضی نہ ہوں گے۔ یہ تو بس اس بات سے راضی ہوتے ہیں کہ آپ اسلام والے راستے کو چھوڑ کر ان کی پیروی کریں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ابن جریر یعنی یقول جل ثناؤہ ولن ترضٰی عنک الیھود ولا النصارٰی حتی تتبع ملتھم ولیست الیھود یا محمد ولا النصارٰی براضیہ عنک ابداً فدع طلب ما یرضیھم ویوا فقھم واقبل علٰی طلب رضا اللہ فی دعائھم الٰی ما بعثک اللہ بہ من الحق

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۳)

ترجمہ: ''ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کریم کے ارشاد کہ آپ سے یہود اور نصاریٰ اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کی پیروی نہ کر لیں۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود اور نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہ ہوں گے تو پھر آپ ان کی رضا طلب کرنے والی چیزوں کو اور ان کی موافقت چھوڑ دیجیے اور ان کو دعوت دینے میں آپ اللہ کی رضامندی کی طرف متوجہ ہوں اس حق کے ذریعہ سے جو اللہ نے آپ کو دے کر مبعوث فرمایا۔''

چند سطر آگے تحریر فرماتے ہیں:

ولئن اتبعت اھواء ھم بعد الذی جاء ک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر فیہ تھدید و وعید شدید لأمۃ عن اتباع طرائق الیھود و النصارٰی بعد ماعلموا من القرآن والسنتہ عیاذاً باللہ من ذالک فان الخطاب مع الرسول والامر لأمتہ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۳)

ترجمہ: ''اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، علم پہنچنے کے بعد تو آپ کا کوئی حمایتی اور کوئی مددگار اللہ کے ہاتھ سے نہیں۔ اس میں امت کے ایسے افراد کے لیے شدید وعید اور دھمکی جو یہود اور نصاریٰ کی پیروی کرتے ہیں جبکہ ان کو قرآن وسنت سے علم بھی حاصل ہو چکا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اس میں خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور حکم امت کو ہے۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ من المبالغة فی اقناطه صلی اللہ علیہ وسلم ما لاغایة ورائه فانهم حیث لم یرضوا عنه علیه الصلاة والسلام ولو خلاهم یفعلون ما یفعلون بل أملوا ما لا یکاد یدخل تحت دائره الامکان وهو الاتباع لملتهم التی جاء بنسخها فکیف یتصور اتباعهم لملته صلی اللہ علیہ وسلم واحیتج لهذه المبالغة لمزید حرصه صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ ایمانهم علیٰ ماروی انه کان یلاطف کل فریق رجاء ان یسلموا فنزلت.

(روح المعانی ج ا ص ۳۷۱)

ترجمہ: ''اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ کے ایمان لانے کے بارے میں اتنے مبالغہ کے ساتھ ناامید کرنا ہے جس سے زیادہ مبالغہ نہیں ہوسکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں تو کرتے رہیں تب بھی وہ آپ سے راضی نہ ہوں گے بلکہ وہ اس چیز کی امید رکھیں گے جو امکان کے دائرہ میں داخل نہیں وہ یہ کہ آپ ان کی ملت کی اتباع کر لیں جس کے منسوخ

کرنے کا حکم آپ لائے ہیں، ۔تو یہ خیال رکھتے ہوئے ان سے کب یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت کی پیروی کریں گے۔ اتنے زیادہ مبالغہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان کی بہت زیادہ حرص تھی اور آپ ان کے ہر ایک فرقہ کے ساتھ نرمی برتتے تھے اس امید پر کہ شاید یہ اسلام لے آئیں تو اس پر اللہ کریم نے یہ حکم نازل فرمایا۔''

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ لما صبر رسوله بما تقدم الآية وبين ان العلة قد انزاحت من قبله لا من قبلهم وانه لا عذر لهم على الثبات على التكذيب به عقب ذالک بان القوم بلغ حالهم فی تشددهم فی باطلهم وثباتهم علیٰ کفرهم انهم يريدون مع ذالک ان يتبع ملتهم ولا يرضون منه بالكتاب بل يريدون منه الموافقته لهم فيماهم عليه فبين بذالک شدة عداوتهم للرسول وشرح ما يوجب اليأس من موافقتهم والملة هی الدين ثم قال (ان هدى الله هو الهدیٰ) بمعنی ان هدی الله هو الذی يهدی الی الاسلام وهو الهدی الحق والذی يصلح ان يسمیٰ هدی وهو الهدیٰ کله ليس وراء ه هدی وما يدعون الی اتباعه ما هو بهدی انما هو هویٰ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۴)

ترجمہ: ''جان لو کہ جب اللہ کریم نے پہلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر دلایا اور یہ کہ علت آپ کی جانب سے دور ہوگئی نہ ان کی جانب سے اور یہ کہ تکذیب پر قائم رہنے کے لیے اب ان کے پاس کوئی عذر نہیں۔ اس کے بعد یہ بیان کیا کہ یہ لوگ باطل پر شدت کے ساتھ عمل کرنے کی وجہ سے اور کفر پر پختگی کی وجہ سے اس حد تک پہنچ چکے ہیں

کہ اب یہ توقع کرنے لگے ہیں کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کرلیں اور یہ ان سے صرف کتاب سے راضی نہیں ہوتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر حال میں ہماری موافقت ہونی چاہیے۔ اللہ کریم نے اس آیت میں یہود و نصاریٰ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدت عداوت کو بیان فرمایا اور ایسی وضاحت فرمادی جس سے ان کو اپنی موافقت کے خیال سے مکمل مایوسی ہوگئی۔ ملت سے مراد دین ہے پھر فرمایا کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے یعنی اللہ کی ہدایت اسلام والی ہدایت ہے اور یہ سچی ہدایت ہے اور یہ کہ جس میں یہ صلاحیت ہو کہ اس کو ہدایت کے نام سے موسوم کیا جاسکے وہ تمام کی تمام ہدایت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ہدایت نہیں اور جس چیز کی طرف یہ دعوت دیتے ہیں وہ ہدایت نہیں بلکہ خواہشات نفسانی ہیں۔''

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

کأنهم قالوا لن نرضیٰ عنک وان ابلغت فی طلب رضانا حتی تتبع ملتنا. اقناطاً منهم لرسول الله صلی الله علیه وسلم عن دخولهم فی الاسلام فحکی الله عزوجل کلامهم ولذالک قال (قل ان هدی الله هو الهدیٰ) علیٰ طریقة اجابتهم عن قولهم یعنی ان هدی الله الذی هو الاسلام هو الهدی الحق والذی یصح ان یسمیٰ هدی. وهو الهدیٰ کله لیس وراْه هدی وما تدعون الیٰ اتباعه ما هو بهدی انما هو هویٰ (تفسیر کشاف ج ا ص ۱۸۳)

ترجمہ: ''گویا کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے چاہے آپ ہماری رضا کے حصول کے لیے بہت مبالغہ ہی کیوں نہ کرلیں جب تک آپ ہماری ملت (دین) کی پیروی نہ کرلیں یہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دخول اسلام سے ناامیدی دلانا ہے۔ اللہ کریم نے ان کی دلی خواہش کو نقل فرما کر فرمایا کہ آپ ان کو کہہ دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے یہ ان کے قول کا جواب ہے یعنی اللہ کا راستہ اسلام والا ہی حق راستہ ہے اور یہ وہ راستہ ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی ہدایت ہے کہ یہ تمام ہدایت ہی ہدایت ہے اس کے سوا اور ہدایت نہیں وہ خواہشات ہیں۔"

یہود جانتے ہوئے امر حق کا انکار کرتے ہیں

الذی آیتنھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم وان فریقاً منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۶)

ترجمہ: ''جن کو دی ہم نے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک فرقہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان کر۔''

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خیال ہو کہ کاش کعبہ کا مسلمانوں کے لیے قبلہ ہونا اہل کتاب تسلیم کر لیں اور دوسرے لوگوں کو شبہ میں ڈالتے نہ پھریں تو میرے نبی موعود ہونے میں خلجان باقی نہ رہے تو جان لو کہ اہل کتاب کو تمہارا پورا علم ہے۔ آپ کے نسب اور قبیلہ مولد و مسکن صورت و شکل اوصاف و احوال سب کو جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو آپ کا علم اور آپ کے نبی موعود ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا بہت سے لڑکوں میں اپنے بیٹوں کو بلا تامل و تردد پہچانتے ہیں مگر اس امر کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں اور بعض دیدہ و دانستہ امر حق کو چھپاتے ہیں لیکن ان کے چھپانے سے کیا ہوتا ہے حق بات تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اہل کتاب مانیں یا نہ مانیں ان کی مخالفت سے کسی قسم کا تردد مت کرو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ای یعرفون نبوتہ وصدق رسالتہ والضمیر عائد علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قالہ مجاھد وقتادۃ وغیرھما وقیل یعرفون تحویل القبلۃ عن بیت المقدس الی الکعبۃ انہ حق قالہ ابن عباس وابن

جریج والربیع وقتادة ایضاً وخص الابناء بالذکر دون الانفس وان کانت الصق لان الانسان یمر علیه من زمنه برهة لا یعرف فیها نفسه ولا یمر علیه وقتٌ لا یعرف فیه ابنه وروی ان عمر قال لعبد الله بن سلام اتعرف محمدا صلی الله علیه وسلم کما تعرف ابنک قال نعم واکثر بعث الله امینه فی سمائه الی امینه فی ارضه بنعته فعرفته وابنی لا ادری ما کان من امه. (الجامع لاحکام القرآن ج۲ص۱۶۳)

ترجمہ: ''وہ آپ کی نبوۃ اور آپ کی رسالت کی تصدیق کو جانتے ہیں۔ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یہ قول مجاہد اور قتادہ وغیرہ کا ہے۔ ابن عباس ابن جریج ربیع اور قتادہ کا یہ قول بھی ہے کہ وہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل قبلہ کو جانتے تھے۔ پہچاننے میں بیٹوں کا ذکر کیا اور نفس کا نہیں یعنی اپنی معرفت کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اپنا جسم تو ملا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انسان پر اپنی عمر کا ایک وقت ایسا گزرا ہوا ہوتا ہے کہ اس کو اپنی خبر نہیں ہوتی لیکن اس پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرتا کہ جس میں وہ اپنے بیٹے کو نہ پہچانتا ہو۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے پوچھا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہو جس طرح اپنے بیٹے کو انہوں نے کہا کہ بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں کہ اللہ کریم نے اپنے آسمان کے امین کو زمین کے امین کے پاس اس کی صفات کے ساتھ بھیجا تو میں نے ان کو پہچان لیا لیکن اپنے بیٹے کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ اس کی والدہ کی طرف اس کا معاملہ کیا ہے۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بان المراد لیس معرفتهم له علیه الصلاة والسلام من حیث ذاته

ونسبه الزهراء بل من حيث كونه مسطوراً فى الكتاب منعوتاً بالنعوت التى تستلزم افحامهم ومن جملتها انه يصلى الى القبلتين

ترجمہ: ''معرفت سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ حضور علی الصلاۃ والسلام کی ذات اور نسب شریف کو جانتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ آپ کو اس حیثیت سے جانتے تھے کہ آپ ان کی کتاب میں ایسی صفات کے ساتھ لکھے ہوئے تھے جو ان کو لاجواب اور خاموش کر دینے کے لیے کافی تھے جن میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يخبر تعالى ان علماء اهل الكتاب يعرفون صحة ما جاء هم به الرسول صلى الله عليه وسلم كما يعرف احدهم ولده والعرب كانت تضرب المثل فى صحة الشئ بهذا كما جاء فى الحديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لرجل معه صغيرٌ ابنك هذا. قال نعم يا رسول الله اشهد به قال اما انه لا يخفىٰ عليك ولا تخفى عليه. قال القرطبى ويروى عن عمرؓ انه قال لعبد الله بن سلامؓ أتعرف محمداً كما تعرف ولدک قال نعم واكثر نزل الامين من السماء على الامين فى الارض بنعته فعرفته وابنى لا ادرى ما كان من امه (قلت) وقد يكون المراد "يعرفونه كما يعرفون ابناء هم" من بين ابناء الناس كلهم ولا يشک احدٌ ولا يمترى فى معرفته ابنه ثم اخبر تعالىٰ انهم مع هذا التحقق والاتقان العلمى (ليكتمون الحق) اى ليكتمون الناس ما فى كتبهم من صفة النبى

صلى الله عليه وسلم (وهم يعلمون) ثم ثبت تعالى نبيّهٗ والمؤمنين وأخبرهم بأن ما جاء به الرسول صلى الله عليه وسلم هو الحق الذى لا مرية فيه ولا شک فقال "الحق من ربک فلا تکونن من الممترين" (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۸۹)

ترجمہ: "اللہ کریم خبر دے رہے ہیں کہ علماء اہل کتاب کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لے کر تشریف لائے تھے وہ اس کی صحت کو اس طریقہ سے جانتے تھے جیسے کوئی اپنے بیٹے کو جانتا ہے۔ عرب کسی کی صحت کے لیے بطور ضرب المثل یہ جملہ استعمال کیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا فرمایا یہ تیرا بیٹا ہے اس نے عرض کی ہاں اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تجھ سے اور تم اس سے مخفی نہیں ہو۔ امام قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے پوچھا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہو جیسے اپنے بیٹے کو تو انہوں نے جواب دیا کہ بیٹے سے بھی زیادہ کہ آسمان کا امین زمین کے زمین پر اس کی صفات کے ساتھ نازل ہوا پس میں نے پہچان لیا اور بیٹے کے معاملہ کو میں اس کی ماں کی طرف سے نہیں جانتا۔ میں کہتا ہوں کہ بیٹوں کی طرح معرفت سے مراد کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی لوگوں کے بیٹوں کے درمیان اپنے بیٹے کو پہچان لیتا ہے اور اس کو اس میں کوئی تردد اور شک نہیں ہوتا۔ پھر اللہ کریم نے خبر دی کہ اس تحقیق اور علمی یقین کے بعد بھی یہ حق کو چھپاتے ہیں یعنی یہ لوگ اپنی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرج صفات کو چھپاتے ہیں پھر اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو

ثابت قدم رکھنے کے لیے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق اور سچ ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ فرمایا حق تیرے رب کی طرف ہے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں"

حق معلوم ہو جانے کے بعد اہل کتاب نے اختلاف کیا

ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بآیات اللہ فان اللہ سریع الحساب (آل عمران آیت نمبر ۱۹)

ترجمہ: "بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی اور حکم برادری ہے اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب ان کو معلوم ہو چکا۔ آپس کی ضد اور حسد کی وجہ سے اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔"

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یعنی اسلام ایک روشن اور واضح چیز ہے جس قسم کے دلائل سے موسیٰ و مسیح کی رسالت تورات وانجیل کا کتاب سماوی ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے اس سے بہتر مضبوط اور زندہ دلائل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے موجود ہیں بلکہ خود وہ کتابیں آپ کی حقانیت کی شہادت دے رہی ہیں۔ توحید خالص ایک صاف مضمون ہے جس کے خلاف باپ بیٹے کا نظریہ محض بے معنی چیستاں ہو کر رہ جاتی ہے جس کا کوئی علمی اصول تائید نہیں کرتا۔ اب جو اہل کتاب مخالف اسلام ہو کر ان روشن حقائق کو جھٹلائیں اور حق تعالیٰ کے حکم برداری سے سرتابی کریں بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ محض ضد وعناد اور جاہ و مال کی حرص میں ایسا کر رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے (ان الذین کفروا لن

تغنی عنهم اموالهم الخ) کے فوائد میں خود ابو حارثہ بن علقمہ رئیس وفد نجران کا اقرار و اعتراف نقل کیا جا چکا ہے اور یہ ان لوگوں کی قدیم عادت ہے۔ یہود و نصاریٰ کے باہم جو اختلافات ہوئے یا ہر ایک مذہب میں جو بہت سے فرقے بنے پھر مخالفت باہمی خوفناک محاربات اور خون ریزیوں پر منتہی ہوئی تاریخ بتلاتی ہے کہ اس کا منشاء عموماً غلط فہمی یا جہل نہ تھا بلکہ اکثر حالات میں محض سیم وزر کی محبت اور جاہ پرستی سے یہ فرقہ وار اختلافات پیدا ہوئے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۱۸۰)

ابو حارثہ بن علقمہ کا اقرار یہ ہے کہ جس وقت یہ وفد نجران بقصد مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابو حارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا۔ خچر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا ''تعسَ الابعَد'' ابعد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے (العیاذ باللہ) ابو حارثہ نے کہا ''تَعِسَتْ امّک'' یعنی تیری ماں ہلاک ہو جائے کرز نے حیران ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھا ابو حارثہ نے کہا کہ واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی منتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی تھی۔ کرز نے کہا کہ پھر مانتے کیوں نہیں۔ اس نے جواب دیا ''لان ھولاء الملوک اعطونا اموالا کثیرة واکرمونا فلو آمنا بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم لأخذوا منا کل ھذہ الاشیاء'' اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہم ایمان لے آئیں تو بادشاہ جو بے شمار دولت ہمیں دے رہے ہیں اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس کر لیں گے۔ کرز نے یہ کلمہ اپنے دل میں رکھا اور آخر کار یہی کلمہ ان کے اسلام کا سبب بنا رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷۶)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ "وما اختلف الذین اوتوا الکتاب" الآیة اخبر تعالیٰ عن اختلاف اھل الکتاب انه کان علیٰ علم منھم بالحقائق وانه کان بغیا وطلباً للدنیا قاله ابن عمر وغیرہ وفی الکلام تقدیم و تأخیرٌ

والمعنی وما اختلف الذین اوتوا الکتاب بغیاً بینھم الامن بعد ما جاء ھم العلم قالہ الاخفش قال محمد بن جعفر المراد بھذہ الآیة النصاریٰ وھی توبیخٌ لنصاریٰ نجران وقال ربیع بن انس المراد بھا الیھود ولفظ الذین اوتوا الکتاب یعم الیھود و النصاریٰ ای "وما اختلف الذین اوتوا الکتاب" یعنی فی نبوة محمد صلی اللہ علیہ وسلم "الا من بعد ما جاء ھم العلم" یعنی بیان صفتہ ونبوتہ فی کتبھم (الجامع لاحکام القرآن ج۳ ص۴۴)

ترجمہ: "اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ اہل کتاب مخالف نہیں ہوئے مگر علم کے بعد یعنی اللہ کریم نے اہل کتاب کے اختلاف کے بارے میں بتایا کہ ان کا یہ اختلاف حقائق کا علم رکھنے کے بعد تھا اور اس اختلاف کا سبب بغض اور حسد اور طلب دنیا تھا۔ یہ قول ابن عمرؓ وغیرہ کا ہے۔ اخفش کہتے ہیں کہ یہاں کلام میں تقدیم وتاخیر ہے معنی یہ ہے کہ اختلاف نہیں کیا اہل کتاب نے بغض اور حسد کی وجہ سے مگر علم آنے کے بعد محمد بن جعفر کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد نصاریٰ ہیں اور یہ نجران کے نصرانیوں کی سرزنش ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں اور یہ لفظ کہ "جن کو کتاب دی گئی" عام ہے یہود اور نصاریٰ دونوں کو شامل ہے یعنی اختلاف نہیں۔ کیا اہل کتاب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ میں مگر جب ان کے پاس علم آ چکا تھا یعنی ان کی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور آپ کی نبوۃ بیان ہو چکی تھی۔"

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الذین اوتوا الکتاب" اھل الکتاب من الیھود و النصاریٰ واختلافھم انھم ترکوا الاسلام وھو التوحید و العدل (من بعد ما

جاء هم العلم) انه الحق الذی لا محید عنه فثلثت النصاری وقالت الیهود عزیر ابن الله وقالوا کنا احق بان تکون النبوة فینا من قریش لأنهم امیون وهذا تجویر لله (بغیانیهم؛ ای ما کان ذالک الاختلاف وتظاهر هولآ وهولآ بمذهب الاحسداً بینهم وطلباً منهم للریاسة وحظوظ الدنیا و استتباع کل فریق ناساً یطؤن اعقابهم لا شبهة فی الاسلام وقیل هو اختلافهم فی نبوة محمد صلی الله علیه وسلم حیث آمن به بعضٌ و کفر به بعضٌ (تفسیر کشاف للزمخشری ج ص ۳۴۶)

ترجمہ: ''جن کو کتاب دی گئی یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور اختلاف انہوں نے یہ کیا کہ انہوں نے اسلام کو چھوڑا اور اسلام توحید اور عدل ہے (ان کے پاس علم آ جانے کے بعد) کہ یہ حق ہے اور اس سے علیحدگی اور چھٹکارا نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ نصرانیوں نے تثلیث کا عقیدہ اختیار کیا اور یہود نے کہا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور انہوں نے کہا کہ ہم قریش سے زیادہ نبوۃ کے حقدار ہیں۔ اس لیے کہ وہ امی ہیں یہ اللہ کی طرف زیادتی کی نسبت ہے (آپس کے حسد اور بغض کی وجہ سے) یعنی ان کا اختلاف اور کچھ کا ایک مذہب اور کچھ کا دوسرے مذہب والوں کی امداد کرنا آپس کے حسد کی وجہ سے ہے اور لوگوں سے ریاست واقتدار اور دنیوی مفاد کے حصول اور ہر فریق کے اس خوف کے پیش نظر کہ اپنے متبعین کو نہ کھودے کثرت کے ساتھ اتباع کرنے والے لوگو کی وجہ سے یہ اختلاف تھا۔ اسلام میں کسی شبہ کی وجہ سے نہیں تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ اختلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کے بارے میں تھا کہ بعض آپ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا۔''

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(الثالث) المراد اليهود و النصارىٰ و اختلافهم هو انه قالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله و انكروا نبوة محمد صلى الله عليه وسلم وقالوا نحن احق بالنبوة من قريش لانهم اميون ونحن اهل الكتاب. (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۲۴)

ترجمہ: ''مراد اس سے یہود و نصاریٰ ہیں اور اختلاف ان کا یہ تھا کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوة کا انکار کیا اور کہا کہ ہم قریش سے زیادہ نبوة کے حقدار ہیں کہ وہ امی اور ہم اہل کتاب ہیں۔''

یہود کا کتاب اللہ سے اعراض

الم ترا الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولیٰ فریق منھم وھم معرضون (آل عمران آیت نمبر ۲۳)

ترجمہ: ''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جن کو ملا کچھ حصہ کتاب کا ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب ان میں حکم دے پھر منہ پھیرتے ہیں بعض ان میں سے تغافل کر کے۔''

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''یعنی جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ جو خود تمہاری تسلیم کردہ کتابوں کی بشارات کے موافق آیا ہے اور تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے تو ان کے علماء کا ایک فریق تغافل برت کر منہ پھیر لیتا تھا حالانکہ قرآن کریم کی دعوت فی الحقیقت تورات اور انجیل کی طرف دعوت دینا ہے بلکہ کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ کتاب اللہ سے مراد تورات وانجیل ہی ہو یعنی لو ہم تمہارے نزاعات کا فیصلہ تمہاری ہی کتاب پر چھوڑ دیتے ہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور پست اغراض کے سامنے خود اپنی کتاب کی ہدایات سے منہ پھیر لیتے ہیں نہ اس کی بشارات سنتے ہیں نہ احکام پر کان دھرتے ہیں چنانچہ رجم زانی کے مسئلہ میں تورات کے حکم منصوص سے صریح روگردانی کی۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھذہ الآیۃ نزلت بسبب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل بیت المدراس علی جماعۃ من الیھود فدعاھم الی اللہ فقال لہ نعیم

بن عمرو والحارث بن زید علیٰ ای دین انت یا محمد؟ فقال النبی صلی الله علیه وسلم "انی علیٰ ملة ابراهیم" فقالا ان ابراهیم کان یهودیا فقال النبی صلی الله علیه وسلم فهلموا الی التوراة فهی بیننا وبینکم، فابیا علیه فنزلت الآیة وذکر النقاش انها نزلت لان جماعة من الیهود انکروا نبوة محمد صلی الله علیه وسلم فقال لهم النبی صلی الله علیه وسلم هلموا الی التوراة ففیها صفتی بأبوا.

(الجامع لاحکام القرآن ج۴ص۵۰)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیت المدراس تشریف لے گئے اور یہود کی ایک جماعت کو دعوت دی تو نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے کہا کہ آپ کس دین پر ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین ابراہیمی پر ہوں اس پر انہوں نے کہا کہ ابراہیم تو دین یہود پر تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ توراۃ دیکھتے ہیں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ انہوں نے توراۃ کی طرف رجوع کرنے سے انکار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نقاش نے ذکر کیا ہے کہ یہود کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا انکار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ توراۃ کی طرف اس میں میری صفات ہیں تو انہوں نے توراۃ پر فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

یقول تعالیٰ منکراً علی الیهود والنصاریٰ المتمسکین فیما یزعمون بکتابیهم اللذین بین ایدیهم وهم التوراة والانجیل واذا دعوا الی

التحاكم الٰی ما فیهما من طاعة الله فیما امرهم به فیهما من اتباع محمد صلی الله علیه وسلم تولوا وهم معرضون عنهما وهذا فی غایة مایکون من ذمهم والتنویه بذکرهم بالمخالفة والعناد

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۳)

ترجمہ: ''اللہ کریم نے یہود ونصاریٰ پر نکیر فرمائی جو بزعم خود اپنے پاس موجود دونوں کتابوں یعنی تورات و انجیل کو تھامے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان میں اپنی طاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا تھا جب ان کو اس پر فیصلہ کرنے کے لیے بلایا جاتا تو وہ تغافل کر کے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخالفت اور عناد کی وجہ سے راہ حق سے رکنے پر یہ ان کی انتہائی مذمت ہے۔''

احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

بعد ان ذکر مقابح اعمال الیهود من تولیهم عند الدعوة وقتلهم الانبیاء وللآمرین بالقسط لیبین لرسوله ان اعراضهم عن دعوته لیس ببدع ولا غریب فیهم فذالک دیدنهم ودابهم مع الانبیاء السالفین فلا تذهب نفسک علیهم حسرات ولا یحزنک اعراضهم انتقل الٰی خطاب رسوله ذاکراً اعجب شان من شئونهم فی الدین لذالک العهد وهو انهم لا یقبلون التحاکم الٰی کتابهم واذا تدعوا الٰی ذالک اعرضوا ثم اردفه ذکر سبب هذا وهو انهم اغتروا باتصال نسبهم بالانبیاء وظنوا ان ذالک کافٍ فی نجاتهم فاصبحوا لایبالون بارتکابهم للمعاصی ولا باجتراح الآثام ثم ردّعلیهم بان الجزاء علی الاعمال لا علٰی مقدار الأنساب رفعة

ووضعۃ (تفسیر المراغی ج ۳ ص ۱۲۶)

ترجمہ: ''یہود کے قبیح اعمال کو ذکر کیا جو انبیاء اور انصاف کا حکم کرنے والوں کے قتل اور دعوت کے وقت پیٹھ پھیرنے سے متعلق تھے۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی دعوت سے روگردانی اور اعراض ان میں کوئی اور اجنبی چیز نہیں بلکہ گزشتہ انبیاء کے ساتھ ان کی عادت اور طریقہ یہی رہا ہے۔ پس آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ ان پر ملال کے باعث اور ان کا اعراض آپ کو غمگین نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اللہ کریم نے یہود و نصاریٰ کی دین کے بارے میں عجیب شان بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بھی حکم ماننے کے لیے تیار نہیں جب ان کو ان کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو انبیاء کے ساتھ اپنے نسلی اتصال نے دھوکا اور غرور میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ انبیاء کے ساتھ نسبی تعلق نجات کے لیے کافی ہے۔ اس خیال سے ان کی حالت یہ ہوگئی کہ یہ اب گناہوں کے ارتکاب کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جزاء اعمال پر ہے نہ کہ نسبی اونچ نیچ پر۔''

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''والروایۃ الرابعۃ'' ان ھذا الحکم فی الیھود والنصاریٰ وذالک لان دلائل نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانت موجودۃ فی التوراۃ والانجیل وکانوا یدعون الی حکم التوراۃ والانجیل وکانوا یأبون (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۳۲)

ترجمہ: ''چوتھی روایت یہ ہے کہ یہ حکم یہود اور نصاریٰ کے لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کے دلائل توراۃ اور انجیل دونوں میں موجود تھے اور یہود اور نصاریٰ کو تورات اور انجیل دونوں کے حکم کی طرف بلایا جاتا تھا مگر وہ انکار کرتے تھے۔''

کافروں کے دوست کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئ الا ان تتقوا منھم تقٰۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر. (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۸)

ترجمہ: ''نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی کرے یہ کام تو نہیں اللہ سے اس کا کوئی تعلق۔ مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے بچاؤ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

علامہ عثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''جب حکومت وسلطنت جاہ وعزت اور ہر قسم کے تقلبات و تصرفات کی زمام اکیلے خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہوئی تو مسلمانوں کے جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں شایان نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوۃ و دوستی پر اکتفا نہ کریں اور خواہ مخواہ دشمنان خدا کی موالات و مدارات کی طرف قدم بڑھائیں۔ خدا اور رسول کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے جو اس خبط میں پڑے گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت و موالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف خداوند رب العزت سے ہونی چاہیے اور اس کے اعتماد و وثوق اور محبت و مناصرت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں تدبیر وانتظام کے درجہ میں کفار کے ضرر عظیم سے اپنے ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول ومشروع طریقہ پر اختیار کرنا ترک موالات کے حکم سے اسی طرح مستثنیٰ ہیں۔ جیسے سورۃ انفال میں ''ومن یولھم یومئذٍ دبرہ'' سے ''متحرفاً

لقتالٍ او متحیزاً الیٰ فئة'' کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جس طرح وہاں تحرف وتحیز کی حالت میں حقیقۃً فرار من الزحف نہیں ہوتا محض صورۃً ہوتا ہے یہاں بھی ''الا ان تتقوا منھم تقاۃً'' حقیقتاً موالات نہیں فقط صورتِ موالات سمجھنا چاہیے جس کو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ ''مومن کے دل میں اصلی ڈر خدا کا ہونا چاہیے کوئی ایسی بات نہ کرے جو اس کی ناراضی کا سبب ہو مثلاً جماعت اسلام سے تجاوز کر کے بے ضرورت کفار کے ساتھ ظاہری یا باطنی موالات کرے یا ضرورت کے وقت میں صورتِ موالات اختیار کرنے میں حدودِ شرع سے گزر جائے یا محض موہوم اور حقیر خطرات کو اہم اور یقینی خطرات ثابت کرنے لگے اور اسی قسم کی مستثنیات یا شرعی رخصتوں کو ہوائے نفس کی پیروی کا حیلہ بنالے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ سب کو خداوند قدوس کی عدالت عالیہ میں حاضر ہونا ہے اور وہاں جھوٹے حیلے حوالے کچھ پیش نہ جائیں گے۔ مومن قوی کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ رخصت سے گزر کر عزیمت پر عمل پیرا ہو اور مخلوق سے زیادہ خالق سے خوف کھائے۔'' (تفسیر عثمانی ج ۱ ص ۱۸۳)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی الضحاک عن ابن عباسؓ ان هذه الآية نزلت فی عبادة بن الصامت الانصاری و کان بدریا تقیاً و کان له حلف من اليهود فلما خرج النبی صلی الله عليه وسلم يوم الاحزاب قال عبادة يا نبی الله ان معی خمس مائة رجل من اليهود وقد رائيت ان يخرجوا معی فاستظهر بهم علی العدو فانزل الله تعالیٰ "لا يتخذ المومنون الكافرين اولياء من دونِ المومنين" (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۵۸)

ترجمہ: ''ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ بہت ہی متقی پرہیز گار اور اہل بدر میں سے تھے۔ یہودیوں میں کچھ لوگ ان کے حلیف تھے۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ احزاب کے لیے نکلنے لگے تو حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوں کہ ان کی وجہ سے میں دشمن پر غلبہ حاصل کرلوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔''

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

نهوا ان يوالو الكافرين لقرابة بينهم او صداقة قبل الاسلام او غير ذالک من الاسباب التى يتصادق ويتعاشر (کشاف ج۱ص۳۵۱)

ترجمہ: ''مسلمانوں کو کسی کافر کے ساتھ قرابت کی وجہ سے یا قبل از اسلام کی دوستی یا کسی اور طریقہ سے دوستی یا معاشرت کی وجہ سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔''

امام رازی لکھتے ہیں:

المسألة الاولى فى سبب النزول وجوه الاول جاء قوم من اليهود الى قوم من المسلمين ليفتنوهم عن دينهم فقال رفاعة بن المنذر وعبدالرحمٰن بن جبيرو سعيد بن خيثمه لأولئک النفر من المسلمين اجتنبوا هولاء اليهود و احذروا ان يفتنوكم عن دينكم فنزلت هذه الآيته. والثانى قال مقاتل نزلت فى حاطب بن ابى بلتعة وغيره وكانوا يظهرون المودة لكفار مكة فنها هم الله عنها. الثالث فى عبدالله بن ابى واصحابه وكانوا يتولون اليهود والمشركين ويخبرونهم بالاخبار ويرجون ان يكون لهم الظفر علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم فنزلت هذه الآية الرابع انها نزلت فى عبادة

بن الصامت و کان له حلفاء من الیهود ففی یوم الاحزاب قال یا نبی الله ان معی خمس مائة من الیهود وقد رائیت ان یخرجوا معی فنزلت هذه الآیة. (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۱)

ترجمہ: ''اس آیت کے نزول کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہود کے کچھ لوگ مسلمانوں کے پاس آئے تا کہ ان کو دین اسلام سے دوسری طرف مائل کر دیں تو حضرت رفاعہ بن منذر عبدالرحمٰن بن جبیر اور سعید بن خیثمہ نے ان مسلمانوں کو کہا کہ ان یہود سے بچو یہ کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مقاتل نے کہا یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی جو کفار کے ساتھ دوستی کا اظہار کیا کرتے تھے تو اللہ کریم نے ان کو اس سے منع فرمایا۔ تیسری وجہ یہ کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ لوگ مشرکین اور یہود کے ساتھ دوستی رکھا کرتے تھے اور ان کی یہ خواہش اور تمنا رہا کرتی تھی کہ یہود اور مشرکین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چوتھی وجہ یہ کہ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ جنگ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی جانب سے اپنے پانچ سو یہودی حلیفوں کو شامل کرنا چاہتے تھے۔ اللہ کریم نے ان کو منع فرمایا۔''

یہود کی چالاکیاں اور خیانتیں

وقالت طائفة من اھل الکتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہ النھار واکفروا آخرہ لعلھم یرجعون ولا تؤمنوا الالمن تبع دینکم قل ان الھدیٰ ھدی اللہ ان یؤتی احدٌ مثل ما أوتیتم او یحاجو کم عند ربکم قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم (آل عمران آیت ۷۳-۷۴)

ترجمہ: ''اور کہا بعض اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن چڑھے اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جائیں اور نہ مانیو مگر اسی کو جو چلے تمہارے دین پر کہہ دیجیے بے شک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا۔ جیسا کچھ تم کو ملا تھا یا وہ غالب کیوں آ گئے تم پر تمہارے رب کے آگے تو کہہ دیجیے کہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا خبردار ہے۔''

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''ان آیتوں میں اہل کتاب کی چالاکیاں اور خیانتیں ذکر کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے کچھ آدمی صبح کے وقت بظاہر مسلمان بن جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور شام کو یہ کہہ کر کہ ہم کو اپنے بڑے بڑے علماء سے تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کی بشارت دی گئی تھی اور تجربہ سے بھی ان کے حالات اہل حق کی طرح کے ثابت نہ ہوئے۔ اسلام سے پھر جایا کریں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ بہت سے ضعیف

الایمان ہماری یہ حرکت دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں گے اور سمجھ لیں گے کہ مذہب اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقص دیکھا ہوگا جو یہ لوگ داخل ہونے کے بعد اس سے نکلے۔ نیز عرب کے جاہلوں میں اہل کتاب کے علم و فضل کا چرچا تھا۔ اس بنا پر یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ یہ جدید مذہب اگر سچا ہوتا تو ایسے اہل علم اسے رد کرتے بلکہ سب سے آگے بڑھ کر قبول کرتے۔"

مزید تحریر فرماتے ہیں "جو یہود مسلمانوں کے سامنے جا کر نفاق سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں انہیں یہ برابر ملحوظ رہے کہ وہ سچ مچ مسلمان نہیں بن گئے بلکہ بدستور یہودی ہیں اور سچے دل سے انہی کی بات مان سکتے ہیں جو ان کے دین پر چلتا ہو اور شریعت موسوی کے اتباع کا دعویٰ رکھتا ہو۔ بعض نے "ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم" کے یہ معنی کیے ہیں کہ ظاہری طور پر جو ایمان لاؤ اور اپنے کو مسلمان بتاؤ وہ محض ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہارے دین پر چلنے والے ہیں یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہیے کہ وہ مسلمان نہ بن جائیں یا جو بن چکے ہیں وہ اس تدبیر سے واپس آ جائیں۔"

مزید تحریر فرماتے ہیں:

> "ہدایت تو اللہ کے دیے سے ملتی ہے جس کے دل میں خدا نے ہدایت کا نور ڈال دیا۔ تمہارے ان پر فریب چالبازیوں سے وہ گمراہ ہونے والا نہیں۔"
>
> (تفسیر عثمانی ص ۲۰۱)

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمعنی اظهروا الایمان بما انزل علی المسلمین فی اوّل النهار "واکفروا" به فی آخره لعلهم یشکون فی دینهم ویقولون مارجعوا وهم اهل کتاب وعلم الا لامرٍ قد تبین لهم فیرجعون برجوعکم وقیل تواطأ اثناعشر من احبار یهود خیبر وقال بعضهم لبعض ادخلوا فی دین محمد اول النهار من غیر اعتقاد واکفروا به آخر النهار وقولوا انا نظرنا فی کتابنا وشاورنا علماء نا فوجدنا محمداً

ليس بذالك المنعوت وظهر لنا كذبه وبطلان دينه فاذا فعلتم ذالك شك اصحابه في دينهم وقيل هذا في شان القبلة لما صرفت الى الكعبة قال كعب بن اشرف لا صحابه آمنوا بما انزل عليهم من الصلاة الى الكعبة وصلوا اليها في اول النهار ثم اكفروا به في آخره وصلوا الى الصخرة ولعلهم يقولون هم اعلم منا وقد رجعوا فيرجعون "ولا تؤمنوا" متعلق بقوله "ان يؤتى احدٌ" وما بينهما اعتراض اى ولا تظهروا ايمانكم بان يؤتى احد مثل ما أو تيتم الا لاهل دينكم دون غيرهم. أرادوا اسرّوا تصديقكم بأن المسلمين قد أوتوا من كتب الله مثل ما أوتيتم ولا تفشوه الا الى اشياعكم وحدهم دون المسلمين لئلا يزيدهم ثباتا و دون المشركين لئلا يدعوهم الى الأسلام (تفسیر کشاف ج۱ص۳۷۳)

ترجمہ: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے دن کے ابتدائی حصہ میں اس پر ایمان کا اظہار کرو اور آخری حصہ میں انکار کرو شاید اس سے ان کو اپنے دین میں شک وشبہ پیدا ہو جائے اور یہ کہ شک کی وجہ سے وہ یہ کہنے لگ جائیں کہ یہ لوگ اہل علم اور اہل کتاب ہیں جب یہ اس دین کو چھوڑ کر واپس ہو گئے ہیں تو یہ ویسے نہیں ہے بلکہ ضرور کوئی وجہ ہے جس کی وجہ سے یہ واپس ہوئے ہیں تو تمہارے لوٹنے سے یہ بھی دین اسلام کو چھوڑ کر لوٹ آئیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہود خیبر کے بارہ علماء نے اس بات پر اتفاق کر کے ایک دوسرے کو کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں دن کے ابتدائی حصہ میں بغیر اعتقاد کے داخل ہو جایا کرو اور آخری حصہ میں انکار کر لیا کرو کہ ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھ لیا ہے اور اپنے علماء سے مشورہ کر لیا ہے ہم نے یہ

پالیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ موصوف نہیں ہیں جن کا تذکرہ ہماری کتب میں ہے اور ہم پر ان کا جھوٹ اور ان کے مذہب کا بطلان واضح ہوگیا ہے۔ جب تم یہ حرکت کرو گے تو ان کے اصحاب کو اپنے دین میں شک پیدا ہو جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب قبلہ کی تحویل کعبہ کی طرف ہوئی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کعب بن اشرف نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ دن کے ابتدائی حصہ میں ان پر جو حکم کعبہ کی طرف نماز ادا کرنے کا نازل ہوا پر ایمان لاؤ کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھ لیا کرو اور دن کے آخری حصہ میں انکار کرلیا کرو کہ صخرہ بیت المقدس کی طرف منہ کرلیا کرو شاید یہ لوگ کہیں کہ یہ لوگ چونکہ ہم سے زیادہ عالم ہیں اور یہ پھر گئے ہیں تو تمہارے دیکھا دیکھی وہ بھی پھر جائیں گے اور ''لا تؤمنوا'' ''ان یؤتی احدٌ'' کے ساتھ متعلق ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے کہ تم اپنے اس ایمان کا حکم جو کچھ تم کو ملا ہے کسی اور کو بھی اس طرح کچھ ملا ہے کا اظہار کسی اور دین والوں کے سامنے مت کرو یعنی انہوں نے ارادہ کیا کہ تم مسلمان کی کتاب کے بارے میں اپنی تصدیق کو چھپاؤ یہ نہ کہو کہ ان کی کتاب بھی تمہاری کتاب کی طرح اللہ کی کتاب ہے یہ اس لیے کرو کہ مسلمانوں کی ثابت قدمی میں اضافہ نہ ہو جائے اور مشرکین کے سامنے اس بات کا اظہار اس لیے نہ کرو تا کہ تمہارے کہنے اور تصدیق کی بنیاد پر مسلمان ان کو اسلام کی دعوت نہ دے دیں۔''

شیخ مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

اخرج ابن جریر عن مجاهد قال صلت یهود مع محمد صلاة الصبح و کفروا آخر النهار مکراً منهم لیرو الناس ان قد بدت لهم منه الضلالة بعد ان کانوا اتبعوه ولیس بالغریب منهم ان یلجائو الیٰ

مثل هذه الحيلة. اذهم يعلمون ان من علامة الحق الا يرجع عنه من يعرفه يرشد الیٰ هذا قول هرقل صاحب الروم لأبی سفيان حين سأله عن شؤن محمد صلى الله عليه وسلم عند ما دعاه الی الاسلام. هل يرجع عنه من دخل فی دينه فقال ابو سفيان ”لا“

(تفسیر المراغی ج۳ص۱۸۶)

ترجمہ: ”ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور شام کومکر کی وجہ سے فریب دینے کے لیے منکر ہو گئے تا کہ لوگوں کو دکھائیں کہ انہوں نے تو پیروی کر لی تھی لیکن یہ چھوڑ کر جو واپس ہو گئے ہیں تو انہوں نے کوئی گمراہی دیکھی ہوگی اور یہودیوں کا اس قسم کے حیلہ سازی کے لیے مجبور ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ حق کی علامت یہ ہے کہ جو حق کو پہچان لیتا ہے تو وہ پھر اس حق کو چھوڑتا نہیں ہے اس بات کی تائید ہرقل شاہ روم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کو دعوت اسلام دیے جانے کے بعد ابوسفیان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال دریافت کر رہا تھا تو اس نے پوچھا کہ کیا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی ان کے دین کو چھوڑ جاتا ہے تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال مقاتل معناه جاؤ محمداً صلى الله عليه وسلم اول النهار ورجعوا من عنده فقالوا للسفلة هو حق فاتبعوه ثم قالوا حتى ننظر فی التوراة ثم رجعوا آخر النهار فقالوا نظرنا فی التوراة فليس هو به يقولون انه ليس بحق وانما ارادوا ان يلبسوا على السفلة وان

يشككوا فيه. (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ص ۱۱۱)

ترجمہ: ''مقاتل کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دن چڑھے آتے پھر جب واپس لوٹ کر جاتے تو اپنے ماتحتوں کو کہتے کہ یہ حق ہے تم ان کی اتباع کرلو پھر کہتے ذرا صبر کرلو کہ ہم توراۃ میں تو دیکھ لیں پھر دن کے آخری حصہ میں اپنی بات سے پھر جاتے اور کہتے کہ ہم نے توراۃ میں دیکھ لیا ہے لیکن یہ وہ نہیں ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا معاملہ اپنے ماتحتوں اور نیچ لوگوں پر مشکوک کردیں۔''

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

المسألة الاولیٰ قول بعضهم لبعض "آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجه النهار" يحتمل ان يكون المراد كل ما انزل وان يكون المراد بعض ما انزل (کبیر)

ترجمہ: ''پہلا مسئلہ یہ ہے کہ یہود کے بعض جو بعض کو کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر دن کے ابتدائی حصہ میں ایمان لاؤ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ پوری وحی مراد ہو دوسرا یہ کہ وحی کا کچھ حصہ مراد ہو۔''

اما الاحتمال الاول ففيه وجوه الاول ان اليهود و النصارىٰ استخرجوا حيلة فی تشکيک ضعفة المسلمين فی صحة الاسلام وهو ان يظهروا تصديق ما ينزل علیٰ محمد صلی الله عليه وسلم من الشرائع فی بعض الاوقات ثم يظهروا بعد ذالک تکذيبه فان الناس متی شاهدوا هذا التکذيب قالوا هذا التکذيب ليس لاجل الحسد و العناد والا لما آمنوا به فی اول الامر واذا لم يكن هذا

التکذیب لا جل الحسد و العناد واجب ان یکون ذالک لا جل انهم اهل الکتاب وقد تفکروا فی امره واستقصوا فی البحث عن دلائل نبوة فلاح لهم بعد التأمل التام والبحث الوافی انه کذاب فیصیر هذا الطریق شبهة لضعفة المسلمین فی صحة نبوته. وقیل تواطأ اثناعشر رجلا من احبار یهود خیبر علی هذا الطریق. وقوله "لعلهم یرجعون" معناه انامتی القینا هذه الشبهة فلعل اصحابه یرجعون عن دینه (تفسیر کبیر)

ترجمہ: ''پہلے احتمال کے مطابق کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہودیوں نے اسلام کی صحت کو ضعیف مسلمانوں کی نظر میں مشکوک کرنے کے لیے ایک حیلہ نکالا وہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو احکامات نازل ہوتے ہیں تو کسی وقت تم اس پر تصدیق کا اظہار کرو پھر اس کے بعد ان احکامات کی تکذیب شروع کر دو۔ لوگ جب تمہاری تصدیق کے بعد تکذیب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ تکذیب حسد اور عناد کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ اگر حسد اور عناد بنیاد ہوتی تو یہ پہلے ایمان نہ لاتے تو جب تکذیب کی بنیاد حسد اور عناد نہیں تو لازمی بات یہ ہے کہ یہ اہل کتاب ہیں اور انہوں نے اس معاملہ میں غور وفکر کیا ہوگا اور انہوں نے ان کی دلائل نبوۃ کے بارے میں پوری تحقیق کی ہوگی تو پوری فکر اور تحقیق کے بعد ان پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ یہ جھوٹا ہے (نعوذ باللہ) تو یہ طریقہ ضعیف مسلمانوں کے لیے اسلام اور آپ کی نبوۃ کی صحت کو مشکوک بنانے کے لیے مفید ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہود خیبر کے بارہ علماء نے اس طریقہ پر اتفاق کیا اور یہ جو کہا گیا کہ شاید وہ لوٹ آئیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب ہم اس شبہ کے ڈالنے میں

کامیاب ہو جائیں گے تو شاید ان کے اصحاب ان کے دین کو چھوڑ کر لوٹ آئیں۔"

"الوجه الثانی" یحتمل ان یکون معنی الآیة ان رؤساء الیهود و النصاریٰ قال بعضهم لبعض نافقوا واظهروا الوفاق للمؤمنین ولکن بشرط ان تثبتوا علیٰ دینکم اذا خلوتم باخوانکم من اهل الکتاب فان امرھولآ المؤمنین فی اضطراب فزجوا الایام معهم بالنفاق فربما ضعف امرهم واضمحل دینهم ویرجعوا الیٰ دینکم وهذا قول ابی مسلم الاصفهانی ویدل علیه وجهان الاول انه تعالیٰ لما قال "ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا" اتبعه بقوله "بشر المنافقین" وهو بمنزلة قوله "واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذخلوا الیٰ شیاطینهم قالوا انامعکم انما نحن مستهزؤن" الثانی: انه تعالیٰ اتبع هذه الآیة بقوله "ولا تؤمنوا الالمن تبع دینکم" فهذا یدل علیٰ انهم نهوا عن غیر دینهم الذی کانوا علیه فکان قولهم "آمنوا به وجه النهار" امر بالنفاق: (تفسیر کبیر)

ترجمہ: "اس آیت کے معنی میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے سرداروں نے ایک دوسرے کو کہا کہ منافقت کا راستہ اختیار کر کے مسلمانوں کے ساتھ اتفاق کا اظہار کرو لیکن یہ کام صرف اسی صورت میں کرو جبکہ آپس کی خلوت اور اپنے اہل کتاب سے میل جول میں تم اپنے ہی دین پر ثابت قدم رہو اس لیے کہ مسلمانوں کا معاملہ مضطرب ہے۔ کئی دنوں تک نفاق سے ان کے ساتھ گھل مل جاؤ شاید ان کا معاملہ کمزور ہو جائے اور ان کا دین ماند پڑ جائے تو وہ تمہارے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔ یہ قول ابو مسلم اصفہانی کا ہے دو وجہوں سے اس کی

تائید بھی ہوتی ہے۔ پہلی وجہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ''کہ وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے'' اس ارشاد کے متصل بعد فرمایا ''منافقین کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے عذاب الیم ہے۔'' یہ اللہ کریم کے اس ارشاد گرامی کی طرح ہے ''کہ جب یہ ایمان والوں کے ساتھ ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ الگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔''

دوسری وجہ تائید یہ ہے کہ دوسری آیت میں ہے کہ ''تم نہ مانو مگر اس کی جو تمہارے دین کا پیرو کار ہو'' یعنی وہ اپنے دین کے علاوہ دوسرے دین پر عمل کرنے سے روکے گئے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ شروع دن میں ایمان لاؤ منافقت پر مبنی حکم ہے۔

الوجهه الثالث قال الاصم قال بعضهم لبعض ان كذبتموه في جميع ما جاء بـه فـان عوامكم يعلمون كذبكم لأن كثيراً مما جاء به حق ولكن صدقوه في بعض و كذبوه في بعض حتى يحمل الناس تكذيبكم له على الانصاف لا على العناد فيقبلوا قولكم (تفسیر کبیر ج۸ ص۱۰۰)

ترجمہ: ''تیسری وجہ جو امام اصمؒ نے کہی کہ یہود نے ایک دوسرے کو کہا کہ تم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام دین کا انکار کرو گے تو تمہاری عوام کو تمہارا جھوٹ معلوم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ان کے دین کا اکثر حصہ حق اور سچ ہے بلکہ تم بعض کی تصدیق کرو اور بعض کی تکذیب تو پھر یہ تمہاری تکذیب کو انصاف پر محمول کر کے تمہاری بات کو قبول کر لیں گے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هـذه مـكـيـدة اراد و هـا ليلبسوا على الضعفاء من الناس امر دينهم

وھو انھم اشتوروا بینھم ان یظھروا الایمان اول النھار ویصلوا مع المسلمین صلاۃ الصبح فاذا جاء آخر النھار أرتدوا الیٰ دینھم لیقول الجھلۃ من الناس انما ردھم الیٰ دینھم اطلاعھم علیٰ نقیصہ وعیب فی دین المسلمین (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۵۵۸)

ترجمہ: ''یہ ان کا ایک داؤ تھا جس سے وہ کمزور لوگوں کے دینی معاملہ کو مشکوک بنانا چاہتے تھے۔ وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ شروع دن میں ایمان کا اظہار کر کے مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کرو اور جب دن کا آخری حصہ آئے تو اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ تاکہ جاہل لوگ یہ کہیں کہ ان کو مسلمانوں کے دین میں نقص اور عیب کی اطلاع ہو گئی ہے۔ اس لیے یہ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آئے ہیں۔''

یہود ہدایت کے قابل نہیں

کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق

وجاء ھم البینت واللہ لا یھدی القوم الظلمین (آل عمران آیت ۸۶)

ترجمہ: ”کیونکہ راہ دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور

گواہی دے کہ بے شک رسول سچا ہے اور آئیں ان کے پاس نشانیاں

اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔“

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”جن لوگوں نے وضوح حق کے بعد جان بوجھ کر کفر اختیار کیا یعنی دل میں یقین رکھتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ رسول سچا ہے اس کی حقانیت وصداقت کے روشن دلائل کھلے نشانات اور صاف بشارات ان کو پہنچ چکی ہیں۔ اس پر بھی کبر و حسد اور حب جاہ و مال اسلام قبول کرنے اور کفرو عدوان کو چھوڑنے سے مانع ہے۔ جیسا کہ عموماً یہود و نصاریٰ کا حال تھا ایسے ہٹ دھرم ضدی معاندین کی نسبت کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ باوجود ایسا رویہ رکھنے کے خدا تعالیٰ ان کو نجات وفلاح اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر لے جائے گا یا جنت تک پہنچنے کی راہ دے گا۔ اس کی عادت نہیں کہ ایسے بے انصاف متعصب ظالموں کو حقیقی کامیابی کی راہ دے اسی پر ان بدبختوں کو قیاس کر لو جس قلبی معرفت ویقین کے درجہ سے بڑھ کر ایک مرتبہ مسلمان بھی ہو چکے ہیں پھر دنیوی اغراض اور شیطانی اغوا سے مرتد ہو گئے۔ یہ ان پہلوؤں سے بھی زیادہ کجرو اور بے حیاء واقع ہوئے ہیں اس لیے ان سے بڑھ کر لعنت اور عقوبت کے مستحق ہوں گے۔“

(تفسیر عثمانی ص ۲۰۷)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"کیف یهدی الله قوماً" کیف یلطف بهم ولیسوا من اهل اللطف لما علم الله من تصمیمهم علٰی کفرهم و دل علٰی تصمیمهم بانهم کفروا بعد ایمانهم وبعد ما شاهدوا بأن الرسول حق وبعد ما جاءتهم الشواهد من القرآن وسائر المعجزات التی تثبت بمثلها النبوة. وهم الیهود کفروا با لنبی صلی الله علیه وسلم بعد ان کانو مؤمنین وذالک حین عاینوا ما یوجب قوة ایمانهم من البینات (کشاف ج۱ص۳۸۱)

ترجمہ: "کیونکر اللہ راہ دے گا ایسے لوگوں کو یعنی ان پر کیونکر مہربانی فرمائے گا جبکہ یہ مہربانی کے اہل ہی نہیں ہیں کہ اللہ کو ان کی کفر پر پختگی معلوم ہے اور ان یہود کی کفر پر پختگی کی یہ دلیل بھی ہے کہ ایمان لانے کے بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی شہادۃ کے بعد اور قرآن کریم و دیگر معجزات کے مشاہدہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ ثابت ہوتی ہے کے بعد ان یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا جبکہ یہ ایمان بھی پہلے لا چکے تھے اور ایمان کے بعد کفر کا اختیار کرنا اس وقت ہوا جب انہوں نے ایسے بینات کا معائنہ کر لیا تھا جو کہ ایمان کی تقویت کے موجب تھے۔"

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الثانی نقل ایضاً عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه انه قال نزلت فی یهود قریظة والنضیر ومن دان بدینهم کفروا بالنبی صلی الله علیه وسلم بعد ان کانوا مؤمنین قبل مبعثه وکانوا یشهدون بالنبوة فلما بعث وجاء هم بالبینٰت والمعجزات کفروا بغیا وحسداً (تفسیر کبیر ج۸ص۱۳۴)

ترجمہ: "دوسری وجہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود بنوقریظہ بنونضیر اور ان کے ساتھی اور جوان کے دین کے پیروکار تھے کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں جبکہ آپ کی بعثت سے قبل یہ آپ پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کی نبوۃ کی گواہی بھی دیتے تھے لیکن جب آپ مبعوث ہوکر کھلے معجزات بھی لائے تو انہوں نے سرکشی اور حسد کی وجہ سے انکار کرلیا۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اخرج عبد بن حمید وغیرہ عن الحسن انھم اھل الکتب من الیھود والنصاریٰ رأو نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی کتابھم وأقروا وشھدوا انہ حق فلما بعث من غیرھم حسدوا العرب علی ذالک وانکروہ وکفروا بعد اقرارھم حسداً للعرب حین بعث من غیرھم

(روح المعانی ج۳ ص۲۱۶)

ترجمہ: ''عبد بن حمید وغیرہ نے حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ یہ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ تھے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جوان کی کتابوں میں تھیں دیکھیں انہوں نے ان صفات کا اقرار کیا اور ان کے سچے ہونے کی گواہی بھی دی لیکن جب ان کی بعثت یہود و نصاریٰ کے غیروں یعنی عرب سے ہوئی تو اس پر انہوں نے عربوں سے حسد شروع کردیا اور انکار کردیا اور اقرار کے بعد کفر کیا یہ سب عربوں کے ساتھ حسد اور اس وجہ سے کہ ان کے غیروں میں ان کی بعثت ہوئی۔''

مسلمان کی تکلیف سے یہود خوش ہوتے ہیں

یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لایألونکم خبالاً ودّوا ما عنتم قد بدتِ البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قدبینا لکم الآیات لعلکم تعقلون ٥ ھآ انتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم وتؤمنون بالکتب کلہ واذا لقوکم قولوا امنا واذا خلوا عضوا علیکم الا نامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیمٌ بذات الصدور (آل عمران آیت:۱۱۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سواوہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہونکل پڑتی ہے۔ دشمنی ان کی زبانوں سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتادئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے۔ سن لو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصے سے تو کہہ دیجیے مرو تم اپنے غصے میں اللہ کو خوب معلوم ہے دل کی باتیں۔"

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ آیتیں بعض کہتے ہیں یہود کے متعلق نازل ہوئیں کیونکہ بعض مسلمان ہمسائیگی اور دوستانہ معاہدہ وغیرہ کی بنا پر جو تعلقات قبل از اسلام ان سے رکھتے

چلے آ رہے تھے بعد از اسلام بھی بدستور اس پر قائم رہے اور دوستی پر اعتماد کر کے ان سے مسلمانوں کے بعض رازدارانہ مشوروں کے اخفا کا اہتمام نہ کر پائے اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں منافقین کے حق میں نازل ہوئیں کیونکہ عام طور پر لوگ ظاہر میں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے تھے جس سے سخت نقصان کا اندیشہ تھا۔ حق تعالیٰ نے یہاں صاف صاف آگاہ کر دیا کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے علاوہ کسی کو بھیدی اور رازدار نہ بنائیں۔ کیونکہ یہودیوں یا نصاریٰ منافقین ہوں یا مشرکین ان میں کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیر خواہ نہیں بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہیں پاگل بنا کر نقصان پہنچائیں اور دینی و دینوی خرابیوں میں مبتلا کر دیں ان کی خوشی اسی میں ہے کہ تم تکلیف میں رہو اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دینوی ضرر پہنچ جائے جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے لیکن بسا اوقات عداوت وغیظ کے جذبات سے مغلوب ہو کر ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے ان کی زبانیں قابو میں نہیں رہتیں۔ پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے خبیث باطن دشمنوں کو اپنا رازدار بنائے۔ خدا تعالیٰ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات وغیرہ کے احکام کھول کر بتلا دیے ہیں جس میں عقل ہو گی ان سے کام لے گا۔"

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ ان کے دوستی کا دم بھرتے ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی قسم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں (جن کے خدا نے نام بتلائے ہیں ان پر علی التعین اور جن کے نام نہیں بتلائے ان پر بالاجمال ایمان رکھتے ہو) اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے بلکہ خود اپنی کتابوں پر ان کا ایمان صحیح نہیں۔ اس لیے چاہیے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم ان سے سخت نفور و بیزار رہتے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔"

انہی آیات کے اگلے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ یعنی اسلام کا عروج اور مسلمانوں کی الفت و محبت دیکھ کر یہ لوگ جلے مرتے ہیں اور چونکہ اس کے خلاف کچھ بس نہیں چلتا اس

لیے فرط غیظ وغضب سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۱۹)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یقول تبارک وتعالٰی ناھیاً عبادہ المؤمنین عن اتخاذ المنافقین بطانة ای یطلعونھم علٰی سرائرھم وما یضمرونہ لأعدائھم والمنافقین بجھدھم وطاقتھم لا یألون المؤمنین خبالاً ای یسعون فی مخالفتھم وما یضرھم بکل ممکن وبما یستطیعون من المکر و الخدیعة و یودون ما یعنت المؤمنین ویحرجھم ویشق علیھم وقولہ تعالٰی ”لا تخدو ابطانة من دونکم“ ای من غیر کم من اھل الادیان وبطانة الرجل ھم خاصة اھلہ الذین یطلعون علٰی داخل امرہ.

(تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۵۹۶)

ترجمہ: اللہ کریم نے اپنے مسلمان بندوں کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ منافقین کو اپنا بھیدی بنائیں یعنی ان کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا درست نہیں جس سے وہ مسلمانوں کے راز اور دشمنوں کے بارے میں عزائم کی اطلاع حاصل کر سکیں۔ منافقین تو اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق مسلمانوں کی خرابی میں کمی نہیں کرتے یعنی وہ مسلمانوں کی خرابی اور جس چیز سے ان کو تکلیف پہنچے اس کو کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور ان کے بس میں جو بھی تکلیف اور دھوکا بازی ہو اس کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور ان کو ہر اس کام سے جس سے مسلمان مشقت اور حرج میں مبتلا ہوں اور جو مسلمانوں کو شاق گزرے۔ خوشی ہوتی ہے۔ اللہ کریم نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ تم اپنوں کے علاوہ غیروں کو بھیدی نہ بناؤ‘ کا مطلب یہ ہے کہ باقی ادیان والوں میں سے کسی کو بھیدی نہ بناؤ۔ بھیدی آدمی کے اس خاص اہل کو کہا جاتا

ہے جن کو گھر کے داخلی امور کی اطلاع ہوتی ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

عن ابن ابی الدهقانة قیل لعمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه ان ههنا غلاماً من اهل الحیرة حافظ کاتب فلوا تخذته کاتبا فقال قد اتخذت بطانة من دون المؤمنین ففی هذا الاثر مع هذه الآیته دلیل علی ان اهل الذمة لایجوز استعمالهم فی الکتابة التی فیه استطالة علی المسلمین واطلاع علی دواخل امورهم التی یخشی فیها ان یفشوها الی الأعداء من اهل الحرب (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۹۶)

ترجمہ: ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ عرض کیا گیا کہ اہل حیرہ میں سے یہاں پر ایک نوجوان ہے جو حافظ اور کاتب ہے آپ اس کو اپنا منشی رکھ لیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے مومنین کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کو اپنا بھیدی بنالیا۔ حضرت عمرؓ کے اس اثر اور قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل ذمہ کو منشی وغیرہ یا ایسے عہدہ پر رکھنا جائز نہیں جس سے اس کو مسلمانوں کے معاملات میں جھانکنے کا موقعہ ملے اور مسلمانوں کے داخلی امور کی اطلاع ہوتی ہو اور ان معاملات کا اہل حرب کو اطلاع سے نقصان کا اندیشہ ہو۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی المنافقین دلیله قوله تعالی "واذا لقوکم قالوا آمنا" قال ابو العالیة ومقاتل والمحبة ههنا بمعنی المصافاة ای انتم ایها المسلمون تصافونهم ولا یصافونکم لنفاقهم وقیل المعنی تریدون لهم الاسلام وهم یریدون لکم الکفر وقیل المراد الیهود قاله الاکثر

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۱۸۱)

ترجمہ: ''اس سے مراد منافقین ہیں اور دلیل اس کی اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ جب تمارے ساتھ ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ یہ ابو العالیہ اور مقاتل کا قول ہے۔ محبت یہاں پر سیدھا ہونے کے معنی میں ہے یعنی اے مسلمانو! تم ان کے ساتھ صاف اور سیدھے رہتے ہو لیکن وہ تمہارے ساتھ سیدھے نہیں رہتے۔ بوجہ نفاق کے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کے لیے اسلام چاہتے ہو اور وہ تمہارے لیے کفر چاہتے ہیں۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد یہودی ہیں۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اخرج ابن اسحاق وغیره عن ابن عباس رضی الله عنه قال كان رجال من المسلمين يواصلون رجالاً من اليهود لما كان بينهم من الجوار والحلف فی الجاهلية فانزل الله تعالٰی فيهم ينهاهم عن مباطنتهم تخوف الفتنة عليهم هذه الآية (روح المعانی)

ترجمہ: ''ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ کچھ مسلمان زمانہ جاہلیت کی ہمسائیگی اور دوستانہ معاہدہ کی وجہ سے یہود کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے۔ اللہ کریم نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو یہود کے ساتھ دوستانہ مراسم اور بھید کی بات سے منع فرمایا۔''

چند سطر بعد تحریر فرماتے ہیں۔

واخرج البيهقی وغيره عن انسؓ عن النبی صلی الله عليه وسلم انه قال "لا تنقشوا فی خواتيمكم العربية ولا تستضيئو بنار المشركين" فذكر ذالک للحسن فقال نعم لا تنقشوا فی

خواتيكم محمد رسول الله ولا تستسروا المشركين فى شئ فى من امور كم ثم قال الحسن وتصديق ذالك من كتاب الله تعالىٰ "يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالاً" والخبال فى الاصل الفساد الذى يلحق الانسان فيورثه اضطراباً كالمرض والجنون ويستعمل فى الشر والفساد مطلقاً ومعنى الآية على الاول لا يقصرون لكم فى الفساد و الشر بل يجهدون فى مضرتكم. والمعنى على الثانى لا يمنعونكم خبالاً اى انهم يفعلون معكم ما يقدرون عليه من الفساد ولا يبقون عندهم شياءً منه فى حقكم وهو وجهٌ وجيهٌ "ودوا ماعنتم" اى احبوا عنتكم اى مشقتكم الشديدة وضرركم. وقال السدى تمنوا ضلالتكم عن دينكم، وروى مثله عن ابن جرير "قدبدت البغضاء من افواههم" اى ظهرت امارات العداوة من فلتات السنتهم وفحوى كلماتهم لا نهم لشدة بغضهم لكم لا يملكون انفسهم ولا يقدرون ان يحفظوا السنتهم "وما تخفى صدورهم" من البغضاء "اكبر" اى اعظم مما بداء لانه كان علىٰ فلتةٍ ومثله لا يكون الا قليلاً "قد بينالكم الآيٰت" اى اظهرنالكم الآيات الدالة على النهى عن موالات اعداء الله تعالىٰ ورسوله صلى الله عليه وسلم وقد اظهرنا لكم الدلالاتِ الواضحات التى يتميز بها الولى من العدو "ان كنتم تعقلون" اى ان كنتم من اهل العقل وان كنتم تعلمون الفصل بين الولى والعدو وان كنتم تعلمون مواعظ الله تعالىٰ ومنافعها (روح المعانی ج۴ ص۳۸)

ترجمہ: "بیہقی وغیرہ نے حضرت انس کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی انگوٹھیوں میں عربی نقش مت بناؤ اور مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت حسنؓ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اپنی انگوٹھی پر محمد رسول اللہ کا نقش کندہ نہ کرائے اور اپنے کسی معاملہ کا راز مشرکین کے ساتھ شریک نہ کرے پھر حضرت حسنؓ نے کہا کہ اس کی تصدیق کتاب اللہ سے ہوتی ہے ''اے ایمان والو تم اپنے غیروں میں سے کسی کو اپنا بھیدی نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے'' خبال اصل میں وہ فساد ہے جو انسان کو لاحق ہو کر اس کے اندر اضطرابی کیفیت مثل جنون پیدا کر دیتا ہے۔ خبال کا لفظ مطلقاً شر و فساد میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ پہلی وجہ کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوا کہ تمہیں ضرر رسانی میں وہ خوب کوشش کرتے ہیں اور تمہارے لیے شر و فساد میں وہ کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔ دوسری وجہ کے مطابق معنی یہ ہے کہ وہ تم سے نقصان کو منع نہیں کرتے یعنی جو کچھ شر اور فساد ان کی قدرت میں ہے وہ سب تمہارے خلاف کر گزرتے ہیں اور تمہارے خلاف کسی حربے کا استعمال اپنے پاس باقی رہنے نہیں دیتے۔ یہ وجہ بہت اچھی ہے ''ان کو خوشی ہوتی ہے جس قدر تم تکلیف میں ہو'' یعنی وہ تمہاری سخت مشقت اور ضرر و تکلیف کو پسند رکھتے ہیں۔ سدی نے کہا کہ وہ تمہارے دین سے تمہاری گمراہی کو پسند کرتے ہیں اس طرح کی روایت ابن جریر سے بھی نقل کی گئی ہے۔ ''ظاہر ہو گئی ہے دشمنی ان کی زبان سے'' یعنی دشمنی کی علامات ان کی زبان کی لغزشوں اور کلام کے مضمون سے ظاہر ہو گئی ہیں۔ اس لیے کہ تم سے شدت بغض کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتے اور نہ اس پر قادر ہیں کہ اپنی زبانوں کی حفاظت کر سکیں ''اور جو پوشیدہ ہے ان کے سینوں میں'' بغض و عداوۃ '' وہ بہت

بڑا ہے'' یعنی جتنا ظاہر کر چکے ہیں اس سے سینوں میں پوشیدہ عداوت زیادہ ہے یعنی جس کا اظہار ہوا ہے وہ تو محض زبانی لغزش ہے اور لغزش والا اظہار بہت کم ہوتا ہے ''ہم نے بیان کردیں تمہارے لیے نشانیاں'' یعنی ہم نے تم پر پتے واضح کر دیے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ موالات کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں اور ہم نے واضح دلائل بیان کر دیے جو دوست اور دشمن میں تمیز کرنے کے لیے کافی ہیں ''اگر تم سمجھتے ہو'' یعنی اگر تم اہل عقل ہو اور دوست و دشمن میں فرق کو سمجھتے ہو اور تم اللہ کریم کی نصیحت اور اس کے نفع کو پہچانتے ہو تو بات واضح ہوگئی ہے۔''

نوٹ: نحوی اور صرفی بحثوں کو نقل نہیں کیا گیا ہے۔ اہل علم اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

المسألة الاولیٰ اختلفوا فی ان الذین نهی الله المؤمنین عن مخالطتهم منهم؟ علی اقوال انهم هم اليهود و ذالک لأن المسلمين كانوا يشاورونهم فی امورهم ويوأنسونهم لما كان بينهم من الرضاع والحلف ظناً منهم أنهم وان خالفوهم فی الدین فهم ينصحون لهم فی اسباب المعاش فنهاهم الله تعالیٰ بهذه الآية وحجة اسباب هذا القول ان هذه الآيات من اولها الی آخرها مخاطبة مع اليهود فتكون هذه الآية ايضاً كذالک الثانی انهم هم المنافقون وذالک لأن المؤمنين كانوا يغترون بظاهر اقوال المنافقين ويظنون انهم صادقون فيفشون اليهم الأسرار و يطلعونهم علی الاحوال الخفية فالله تعالیٰ منعهم عن ذالک وحجة اصحاب

هذا القول ان ما بعد هذه الآية يدل علٰى ذالک وهو قوله "واذا لقوكم قالوا امنا واذا خلوا عضوا عليكم الانامل من الغيظ" و معلوم ان هذا لا يليق باليهود بل هو صفة المنافقين ونظيرة قوله تعالٰى فى سورة البقرة "واذا لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الٰى شياطينهم قالوا انا معكم انما نحن مستهزؤن" الثالث' المراد به جميع اصناف الكفار والدليل عليه قوله تعالٰى "بطانة من دونكم" فمنع المؤمنين ان يتخذوا بطانة من غير المؤمنين فيكون ذالک منعًا عن جميع الكفار (تفسیر کبیر ج۸ص۲۰۱)

ترجمہ: ''جن لوگوں کے ساتھ میل جول سے اللہ کریم نے منع فرمایا ہے وہ کون لوگ ہیں اس میں کئی اقوال ہیں۔ایک قول کے مطابق یہ یہود ہیں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ان سے اپنے معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے اور رضاعت اور حلف کی وجہ سے ان کے ساتھ محبت کیا کرتے تھے۔اس گمان سے کہ دین میں اگرچہ یہ ہمارے مخالف ہیں لیکن اسباب معاش میں یہ ہمارے ساتھ خیر خواہی والا معاملہ کریں گے اور اچھا مشورہ دیں گے۔اللہ کریم نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔اس قول والوں کی دلیل کا سبب یہ ہے کہ ان آیات میں ابتدا سے لے کر آخر تک خطاب یہود کے ساتھ ہے تو یہ آیت بھی یہود سے متعلق ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمان منافقین کے ظاہر سے دھوکہ کھا جاتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ شاید یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو اپنے راز ان پر افشاء کرتے اور اپنے خفیہ احوال کی اطلاع بھی ان کو کر دیتے۔اللہ کریم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اس قول والوں کی

دلیل یہ ہے کہ اللہ کریم کا اس کے بعد والا ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے۔وہ یہ کہ ''جب تمہارے ساتھ ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔تم پر انگلیاں مارے غصے کے۔یہ معلوم بات ہے کہ یہ یہود کا فعل نہ تھا بلکہ یہ منافقین کی حالت تھی اس کی نظیر اللہ کریم کا ارشاد سورۃ البقرہ والا ہے کہ ''جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب الگ ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے ساتھ تو کہتے ہیں۔ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔تیسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے کفار کے تمام اقسام ہیں اس قول کی دلیل اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ اپنوں کے علاوہ غیروں کو اپنا بھیدی نہ بناؤ۔مومنوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کسی غیر کو اپنا ہم راز بنائیں تو یہ تمام کفار سے موالات کی ممانعت ہوئی۔''

یہود اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہیں

لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقيرٌ ونحن اغنياء سنكتب ما قالوا وقتلهم الانبياء بغير حق ونقول ذو قوا عذاب الحريق.

(آل عمران آیت ۱۸۱)

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہیں اور ہم مالدار۔ اب ہم لکھ رکھیں گے ان کی بات اور جو خون کیے انہوں نے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا۔“

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”محض اتنا ہی نہیں کہ یہود انتہائی بخل کی وجہ سے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جانب میں گستاخانہ کلمات بکنے سے بھی نہیں شرماتے۔ چنانچہ جب آیت ”من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسنا“ نازل ہوئی تو کہنے لگے اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے تو اللہ فقیر محتاج ہے اور ہم غنی مالدار حالانکہ ایک غبی کوڑھ مغز بھی سمجھ سکتا ہے کہ انفاق فی وجوہ الخیر (خیر کے کاموں میں خرچ کرنا) کو قرض سے تعبیر فرمانے میں رحمت وشفقت کا اظہار تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری مصالح میں ہمارے ہی دینوی واخروی فائدہ کے لیے خرچ کرواتا ہے۔ اس کو ہمارے خرچ سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا اور بفرض محال پہنچے بھی تو مال اور ہر چیز اس کی مملوک ہے پھر حقیقی معنی میں اس کو قرض کیسے کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس کا کمال کرم واحسان ہے کہ اس خرچ کا بہترین بدلہ بھی اپنے ذمہ لازم کر لیا اور اس کو لفظ قرض سے ادا کر کے اس کے لزوم کو بے حد مؤکد ومسجل کر دیا مگر یہود اپنی کور چشمی اور خبث باطن سے احسان ماننے کے

بجائے ان لفظوں کی ہنسی اڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی جانب رفیع میں مسخرا پن کرنے سے باز نہ رہے۔اس کو فرمایا کہ اللہ نے تمہاری باتیں سن لیں اس پر جو کارروائی ہوی اس کے منتظر رہو۔

مزید تحریر فرماتے ہیں یعنی ''عام ضابطہ کے موافق یہ ملعون اور ناپاک اقوال تمہارے دفتر سئیات میں درج کرائے دیتے ہیں جہاں تمہاری قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک افعال درج ہیں۔ مثلاً معصوم نبیوں کا ناحق خون بہانا کیونکہ جس طرح یہ نالائق جملہ ایک نمونہ ہے تمہاری خداشناسی کا وہ نالائق کام نمونہ ہے تمہاری تعظیم انبیاء کا جب یہ پوری مثل پیش ہوگی اس وقت کہا جائے گا کہ لو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھو اور جس طرح تم نے طعن وتمسخر سے اولیاء اللہ کے دل جلائے تھے اب عذاب الٰہی کی بھٹی میں جلتے رہو۔'' (تفسیر عثمانی ص ۲۴۵)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ ''لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقيرٌ ونحن اغنياء'' ذكر تعالىٰ قبيح قول الكفار لا سيما اليهود و قال اهل التفسير لما انزل الله تعالى ''من ذا الذى يقرض الله قرضاً حسناً'' قال قوم من اليهود منهم حيى بن اخطب فى قول الحسن وقال عكرمة وغيره هو فنحاص بن عاز وراء ان الله فقير ونحن اغنياء يقترض منا وانما قالوا هذا تمويهاً علىٰ ضعفاء هم لا انهم يعتقدون هذا لانهم اهل الكتاب ولكنهم كفروا بهذا القول لا نهم ارادوا تشكيك الضعفاء منهم ومن المومنين وتكذيب النبى صلى الله عليه وسلم اى انه فقير علىٰ قول محمد صلى الله عليه وسلم لأنه اقترض منا. (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۹۴)

ترجمہ: ''اللہ کریم کا ارشاد ہے بے شک اللہ نے سن لی بات ان لوگوں کی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر اور ہم مالدار ہیں۔ اللہ نے کفار اور خصوصاً یہود کے قبیح قول کا ذکر کیا۔ اہل تفسیر نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل

ہوئی ''من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً'' کون ایسا ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو یہود کے کچھ لوگ جن میں بقول حضرت حسن بصریؒ حیی بن اخطب اور بقول حضرت عکرمہؒ فنحاص بن عازوراء شامل تھا نے کہا کہ اللہ فقیر اور ہم مالدار ہیں کہ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ اس بات پر ان کا تو اعتقاد نہیں تھا بلکہ وہ صرف ضعفاء اور کمزور لوگوں پر جعل سازی اور ملمع سازی کرنا چاہتے تھے۔ یہ اہل کتاب تھے اور اس قول سے وہ کافر ہو گئے۔ اس لیے کہ انہوں نے ان ضعفاء کو جو ان سے یا مسلمانوں سے تعلق رکھتے تھے کو شک میں مبتلا کرنے کی کوشش کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی کہ بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم. اللہ فقیر ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔''

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه یبعد من العاقل ان یقول ان الله فقیرٌ ونحن اغنیاء بل الانسان یذکر ذالک أما علیٰ سبیل الأستهزاء او علیٰ سبیل الالزام واکثر الروایات ان هذا القول صدر عن الیهود. روی انه صلی الله علیه وسلم کتب مع ابی بکرؓ الیٰ یهود بنی قینقاع یدعوهم الیٰ الاسلام والیٰ اقامة الصلاة و آیتاء الزکوٰة وان یقرضوا الله قرضاً حسناً فقال فنحاص الیهودی ان الله فقیر حیث سالنا القرض فلطمه ابو بکرؓ فی وجهه وقال لولا الذی بیننا وبینکم من العهد لضربت عنقک فشکاه الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم وجحد ما قاله فنزلت هذه الآیة تصدیقاً لأبی بکر رضی الله تعالیٰ عنه وقال آخرون لما انزل الله تعالیٰ ''من ذا الذی یقرض الله قرضاً حسناً فیضاعفه له اضعافاً کثیره'' قالت الیهود نری اله محمد

یستقرض منافنحن اذاً اغنیاء وھو فقیر وھو ینھانا عن الربا ثم یعطینا الربا وارادوا قولہ فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ (تفسیر کبیر ج۹ص۱۱۷)

ترجمہ: ''جان لو کہ کسی عقل مند آدمی سے یہ بات بعید ہے کہ وہ یہ کہے کہ اللہ فقیر اور ہم مالدار ہیں بلکہ انسان یہ بات بطور استہزاء و مذاق کرتا ہے اور یا بطور الزام کے۔ اکثر روایات یہ ہیں کہ یہ قول یہود سے صادر ہوا۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے خط مبارک کے ساتھ بنو قینقاع کے یہود کی طرف بھیجا اور ان کو اسلام اقامۃ صلاۃ اور اداء زکوٰۃ کی دعوت دی اور یہ کہ اللہ کو قرض حسنہ دیں تو فنحاص یہودی نے کہا کہ اللہ فقیر اور ہم مالدار ہیں اس لیے تو اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ اگر ہمارا تمہارے ساتھ معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ اس یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی اور اپنے کہے سے مکر گیا۔ یہ آیت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق میں نازل ہوئی۔ بعض دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ جب اللہ کریم نے ارشاد نازل فرمایا کہ ''کون شخص ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے پھر دو گنا کر دے اس کو کئی گنا'' تو یہودیوں نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہم سے قرض مانگتا ہے تو ہم مالدار اور غنی ٹھہرے وہ فقیر و محتاج اور وہ ہم کو سود سے منع کرتا ہے اور پھر خود ہی ہم کو سود بھی دیتا ہے۔ ان کی مراد اس سے اللہ کا یہ قول تھا پھر دو گنا کر دے اس کو کئی گنا۔''

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال ذالک الیھود حین سمعوا قول اللہ تعالیٰ ''من ذا الذی یقرض

اللہ قرضاً حسنا" فلا یخلوا اما ان یقولوہ عن اعتقاد لذا لک او عن استهزاء بالقرآن وایها کان فالکلمة عظیمة لا تصدر الا عن متمردین فی کفرهم و معنی سماع الله له انه لم یخف علیه وانه اعد کفاۂ من العقاب. (تفسیر کشاف ج۱ص۴۴۶)

ترجمہ: "یہود نے یہ بات اس وقت کہی جب انہوں نے اللہ کریم کا ارشاد "کون ایسا شخص ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے" سنا۔ یہ بات یا تو انہوں نے اعتقاد کے ساتھ کہی یا قرآن کریم کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کے طور پر جو بھی صورت ہو لیکن یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ ایسی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اپنے کفر میں سرکشی کی حد تک پہنچ چکا ہو۔ اللہ کریم کی ان کی بات سننے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ بات اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے اور اس بات کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب تیار کیا ہے۔"

یہود کی گستاخیاں

الم ترا الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب یشترون الضللة ویریدون ان تضل السبیل و الله اعلم باعدائکم و کفی بالله ولیاً و کفی بالله نصیرا من الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه ویقولون سمعنا وعصینا و اسمع غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتهم وطعنا فی الدین ولو انهم قالوا سمعنا و اطعنا و اسمع و انظرنا لکان خیراً لهم و اقوم ولکن لعنهم الله بکفرهم فلا یؤمنون الاقلیلا (النساء آیت ۴۴، ۴۵، ۴۶)

ترجمہ: ''کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جن کو ملا کچھ حصہ کتاب سے خریدتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بہک جاؤ راستہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار۔ بعض لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں سن نہ سنایا جائیو اور کہتے ''راعنا'' موڑ کر اپنی زبان کو اور عیب لگانے کو دین میں اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم۔''

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان آیات میں یہود کے بعض قبائح اور ان کے مکر وفریب کا بیان ہے اور ان کی ضلالت اور کفر پر خود ان کو اور نیز دوسروں کو مطلع کرنا ہے تا کہ ان سے

علیحدہ رہیں چنانچہ ''ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورا '' سے لے کر ''یاایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ'' تک یہود کے قبائح مذکور ہو چکے بیچ میں ایک خاص مناسبت سے نشہ آور جنابت میں نماز کی ممانعت فرما کر پھر یہود کی قبائح کا بیان ہے۔ یہود کو کتاب سے کچھ ملا یعنی لفظ پڑھنے کو ملے اور عمل کرنا جو اصل مقصود تھا نہیں ملا اور گمراہی خریدتے ہیں یعنی پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اوصاف کو دنیا کی عزت اور رشوت کے واسطے چھپاتے ہیں اور جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی دین سے پھر کر گمراہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اے مسلمانوں تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں تم ایسا ہرگز نہیں جانتے۔ سو اللہ کے فرمانے پر اطمینان کرو اور ان سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے دشمنوں سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین پر قائم رہو۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ ''یہود میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ جو نازل فرمائی اس کو اپنے ٹھکانے سے پھیرتے اور بدلتے ہیں یعنی تحریف لفظی اور معنوی کرتے ہیں۔''

اگلے حاشیہ پر لکھتے ہیں ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی حکم سناتے ہیں تو یہود جواب میں کہتے ہیں ہم نے سن لیا مطلب یہ ہوا کہ قبول کر لیا لیکن آہستہ سے کہتے کہ نہ مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سن لیا دل سے نہیں مانا۔''

مزید فرمایا کہ ''جب یہود حضرت سے خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سن نہ سنایا جائیو یعنی ایسا کلام بولتے ہیں جس کے دو معنی ہوں۔ ایک معنی کے اعتبار سے دعا یا تعظیم ہو اور دوسرے معنی کے رو سے بددعا اور تحقیر ہو سکے چنانچہ یہ کلام بظاہر دعا خیر ہے۔ مطلب یہ کہ تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے۔ کوئی تجھ کو بری اور خلاف بات نہ سنا سکے اور دل میں یہ نیت رکھے کہ تو بہرا ہو جائیو۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت کی خدمت میں آتے تو یہود کہتے ''راعنا'' اس کے بھی دو معنی ہیں ایک اچھے ایک برے۔ اچھے معنی تو یہ ہیں کہ ہماری رعایت کرو اور شفقت کی نظر کرو کہ تمہارا مطلب سمجھ لیں اور جو پوچھنا ہو پوچھ سکیں اور برے معنی یہ کہ یہود کی زبان میں یہ کلمہ

تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر ''راعینا'' کہتے یعنی تو ہمارا چرواہا ہے یہ ان کی محض شرارت تھی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ اور دیگر پیغمبروں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔''

اگلے حاشیہ پر لکھتے ہیں ''یہود ان کلمات کو اپنے کلام میں رلا ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے اچھے معنی پر ہی عمل کرتے اور برے معنوں کی طرف دھیان بھی نہ جاتا اور دل میں برے معنی مراد لیتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا۔''

حق تعالیٰ نے یہود کے تین مذموم اقوال بیان فرما کر اب بطور ملامت و ہدایت ارشاد کرتے ہیں کہ اگر یہود عصینا کی جگہ اطعنا کہتے اور بجائے اسمع غیر مسمع کے صرف اسمع کہتے اور راعنا کے عوض انظرنا کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات درست اور سیدھی ہوتی اور اس بے ہودگی اور شرارت کی گنجائش نہ ہوتی جو کلمات سابقہ سے یہود برے معنی اپنے دل میں مراد لیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ ان کو ان کے کفر کے باعث اپنی رحمت اور ہدایت سے دور کر دیا ہے اس لیے وہ مفید اور سیدھی بات کو نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی کہ وہ ان کی شرارتوں اور خباثتوں سے مجتنب رہے اور اسی وجہ سے اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی وغیرہ۔'' (تفسیر عثمانی ص ۲۷۹)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد من الموصول یهود المدینة وروی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما انها نزلت فی رفاعة بن زید ومالک بن دخشم کانا اذا تکلم رسول الله صلی الله علیه وسلم لویالسانهما وعاباه. وعنه انها انزلت فی حبرین کانا یأتیان رأس المنافقین عبدالله بن ابی ورهطه یتبطانهم عن الاسلام (روح المعانی ج ۵ ص ۴۴)

ترجمہ: ''موصول سے مراد یہود مدینہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیات رفاعہ بن زید اور مالک بن دخشم

کے حق میں نازل ہوئیں۔ جب یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے تھے تو اپنی زبانوں کو مروڑ لیا کرتے تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عیب اور نقص کی نسبت کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیات یہود کے دو عالموں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس آئے تھے۔ اس کو اور اس کی قوم کو اسلام سے روکنے کی کوشش کرتے۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یخبر تعالیٰ عن الیهود علیهم لعائن الله المتتابعه الیٰ یوم القیامة. انهم یشترون الضلالة بالهدیٰ ویعرضون عما انزل الله علیٰ رسوله ویترکون ما بایدیهم من العلم عن الانبیاء الاولین فی صفة محمد صلی الله علیه وسلم لیشتروا به ثمنا قلیلاً من حطام الدنیا "ویریدون ان تضلوا السبیل" ای یودون لو تکفرون بما انزل علیکم ایها المؤمنون و تترکون ما انتم علیه من الهدیٰ والعلم النافع "والله اعلم باعدائکم" ای هو اعلم بهم ویحذرکم منهم "وکفی بالله ولیا وکفی بالله نصیرا" ای کفی به ولیا لمن لجاء الیه ونصیراً لمن استنصره. ثم قال تعالیٰ "من الذین هادوا" من فی هذا لبیان الجنس کقوله "فاجتبوا الرجس من الاوثان" وقوله "یحرفون الکلم عن مواضعه" ای یتأولونه علیٰ غیر تأویله ویفسرونه بغیر مراد الله عزوجل قصداً منهم وافتراءً "ویقولون سمعنا" ای سمعنا ما قلته یا محمد ولا نطیعک فیه هکذا فسره مجاهدو ابن زید وهو المراد وهذا ابلغ فی کفرهم وعنادهم وأنهم یتلون عن کتاب الله

بعد ما عقلوه وهم يعلمون ما عليهم فی ذالک من الاثم والعقوبة وقولهم "واسمع غير مسمع" ای اسمع ما نقول لا سمعت. رواه الضحاک عن ابن عباس. وقال مجاهد والحسن واسمع غير مقبول منک. قال ابن جرير والاول اصح وهو كما قال وهذا استهزاءٌ واستهتارٌ عليهم لعنة الله "وراعنا ليا بالسنتهم وطعنا فی الدين" ای يوهمون انهم يقولون راعنا سمعک يقولهم راعنا وانما يريدون الرعونة بسبهم النبی وتقدم الكلام علٰی هذا عند قوله "يا ايها الذين آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا" ولهذا قال تعالی عن هو لاء اليهود الذين يريدون بكلامهم خلاف ما يظهرونه لياً بالسنتهم وطعناً فی الدين يعنی بسبهم النبی صلی الله عليه وسلم ثم قال تعالٰی "ولو انهم قالوا سمعنا وأطعنا واسمع وانظرنا لكان خيراً لهم واقوم ولكن لعنهم الله بكفرهم فلا يؤمنون الا قليلاً" ای قلوبهم مطرودة عن الخير مبعدة منه فلا يدخلها من الايمان شئٌ نافع لهم وقد تقدم الكلام علٰی قوله تعالیٰ "فقليلاً ما يؤمنون" والمقصود انهم لا يؤمنون ايماناً نافعاً (تفسیر ابن کثیر ج اص ۷۶۸)

ترجمہ: ''اللہ کریم یہود کے بارے میں خبر دے رہے ہیں (ان پر اللہ کی پے درپے لعنتیں تا قیامت ہوں'' کہ وہ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رہے ہیں اور اللہ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل فرمایا اس سے اعراض کرتے ہیں اور انبیاء سابقین سے جو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے متعلق ان کے پاس ہے یہ اس کو چھوڑے ہوئے ہیں تا کہ اس کے عوض کچھ تھوڑا مول اور دینوی ساز و

سامان حاصل کر لیں ''وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راستہ سے بہک جاؤ''
یعنی وہ پسند کرتے ہیں اے ایمان والو کہ تم جس ہدایت پر ہو اس کو چھوڑ
دو اور جو نافع علم تمہارے پاس ہے اس کو چھوڑ دو'' اور اللہ خوب جانتا
ہے تمہارے دشمنوں کو'' یعنی خوب جانتا ہے ان کو اور تم کو ان سے ڈراتا
ہے'' کافی ہے اللہ حمایتی اور کافی ہے اللہ مددگار'' یعنی اللہ حمایتی ہے جو
اس کی پناہ لیتا ہے اور مددگار ہے جو اس سے مدد چاہتا ہے۔ پھر اللہ کریم
نے فرمایا'' من الذین ھادوا'' اس میں لفظ'' من'' بیان جنس کے لیے
ہے جیسے'' فاجتنبوا الرجس من الاوثان'' میں ہے اور یہ ارشاد کہ
'' وہ بدلتے ہیں کلمات کو اپنی جگہ سے'' یعنی اس کی تاویل و تفسیر اپنی
مرضی سے اصلی تفسیر سے ہٹ کر کرتے ہیں اور اللہ کی مراد کے خلاف
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے۔ یعنی ہم نے سن لیا جو تم
نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکن اس میں آپ کی اطاعت نہیں کریں
گے مجاہد اور ابن زید نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اور یہی مراد ہے اور یہ
ان کا کفر و عناد میں خوب مبالغہ ہے کہ وہ کتاب اللہ سے اعراض کرتے
ہیں۔ اس کو سمجھنے کے بعد اس اعراض پر ان کو جو سزا ہو گی اس کو اور اس
کی وجہ سے گناہ کو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کا یہ کہنا کہ'' سن تو نہ سنا
جائے'' یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ سن لے تو نہ سنا جائے یہ روایت ضحاک
نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے اور امام مجاہد اور
حسن کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سن لے تجھ سے قبول نہ کی
جائے۔ امام ابن جریر نے کہا ہے کہ پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔ یہ یہود لعنہم
اللہ کی طرف سے ایک استہزاء اور بری نیت تھی اور وہ'' راعنا کہتے زبان
کو مروڑ کر اور دین میں طعن کرنے کو'' یعنی ان کا وہم یہ تھا کہ وہ یہ کہتے
ہیں کہ آپ سننے میں ہماری رعایت کریں اور اس سے وہ رعونۃ مراد

لیتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتے اس پر بات سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کریم نے ان یہود سے متعلق فرمایا جو اپنے کلام سے خلاف ظاہر مراد لیا کرتے تھے۔ اپنی زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کرنے کو اس طرح سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتے پھر اللہ کریم نے فرمایا کہ ''اگر یہ کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ہے اور آپ سنیں اور ہم پر نظر کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور زیادہ سیدھا لیکن اللہ نے ان پر لعنت فرمائی بوجہ ان کے کفر کے سو یہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم'' یعنی ان کے دل حق سے دور اور دھتکارے ہوئے ہیں ان کے دلوں میں ایمان سے کچھ نافع چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اس پر پہلے کلام ہو چکا ہے مقصد یہ کہ ان کو ایمان نافع نصیب نہ ہوگا۔''

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''المسألة الثانیه'' الذین اوتو نصیباً من الکتب هم الیهود. ویدل علیه وجوه الاول ان قوله بعد هذه الآیته ''من الذین هادوا'' متعلق بهذه الآیة الثانی: روی ابن عباس ان هذه الآیة نزلت فی حبرین من احبار الیهود کانا یأتیان رأس المنافقین عبدالله بن ابی ورهطه فیثبطونهم عن الاسلام. الثالث ان عداوة الیهود کانت اکثر من عداوة النصاریٰ بنص القرآن فکانت احالة هذا المعنی علی الیهود اولی (تفسیر کبیر ج ۱۰ اص ۱۱۰)

ترجمہ: ''دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ''وہ لوگ جن کو کتاب سے کچھ حصہ دیا گیا'' سے مراد یہود ہیں۔ کئی وجوہ سے اس پر دلالت ہوتی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ اس آیت کی بعد والی آیت (من الذین هادوا) اسی آیت سے متعلق ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے

ہیں کہ یہ آیت یہود کے دو علماء جو عبداللہ بن ابی منافق کے پاس آ کر اس کو اسلام سے دور رکھتے تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہود کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ زیادہ تھی بہ نسبت نصاریٰ کی مسلمانوں کے ساتھ عداوت کے۔ قرآن کریم کے نص کے مطابق پس اس معنی کو بھی یہود پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نزلت فی یهود المدینة وما والاها قال ابن اسحاق وکان رفاعة بن زید بن التابوت من عظماء یهود اذا کلم رسول الله صلی الله علیه وسلم لوی لسانه وقال أرعنا سمعک یا محمد حتی نفهمک ثم طعن فی الاسلام وعابه فانزل الله عزوجل (الجامع لاحکام القرآن ج۵ص۲۴۲)

ترجمہ: ''یہ آیتیں یہود مدینہ اور اس کے اردگرد کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رفاعہ بن زید بن التابوت یہود کے سرداروں میں سے تھا جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا تو اپنی زبان کو مروڑ کر کہتا کہ آپ اپنے کانوں کو ذرا ہمارے طرف متوجہ کریں کہ ہم آپ کی بات کو سمجھ سکیں اور اس نے اسلام میں طعن شروع کیے اور اسلام میں عیب نکالنے کی کوشش کی اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل کیں۔''

حافظ زمخشری لکھتے ہیں:

(الم تر) من رؤیة القلب وعدی بألی علیٰ معنی ألم ینته علمک الیهم؟ او بمعنی ألم تنظر الیهم؟ "اوتوا نصیباً من الکتاب" حظاً من علم التوراة وهم احبار الیهود "یشترون الضلالة" یستبدلونها بالهدیٰ وهو البقاء علی الیهودیة بعد وضوح الآیات لهم علی

صحة نبوة رسول الله صلى الله عليه وسلم وانه هو النبی المبشر به فی التوراة والانجیل "ویریدون ان تضلوا" انتم ایها المؤمنون سبیل الحق کما ضلوا وتنخرطوا فی سلکهم لا تکفیهم ضلالتهم بل یریدون ان یضل معهم غیرهم. وقرئ ان یضلوا بالیاء بفتح الضاد وکسرها "والله اعلم" منکم "باعدائکم" وقد اخبرکم بعداوة هولاء واطلعکم علىٰ احوالهم وما یریدون بکم فاحذروهم ولا تستنصحونهم فی امورکم ولا تستشیروهم "وکفی بالله ولیا وکفی بالله نصیرا" فثقوا بولایته ونصرته دونهم اولا تبالوابهم فان الله ینصرکم علیهم ویکفیکم مکرهم. (تفسیر کشاف ج۱ص۵۱۶)

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا سے مراد رویت قلبی ہے اس کو الیٰ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ معنی یہ ہے کہ کیا آپ کا علم ان تک منتہی نہیں ہوا ہے یا معنی یہ ہے کہ کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا ''جن کو کچھ حصہ ملا کتاب کا'' یعنی علم توراۃ کا ایک حصہ ملا یہ علماء یہود تھے ''خریدتے ہیں گمراہی'' یعنی بدلتے ہیں اس کو ہدایت سے ان کا گمراہی خریدنا یہودیت پر بقا ہے کہ ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کی صحت کی آیات اور علامات واضح ہوگئیں اور یہ کہ یہی وہ نبی عربی ہیں جن کی خوشخبری توراۃ وانجیل میں دی گئی ہے ''وہ چاہتے ہیں کہ گمراہ کردیں'' تم کو اے ایمان والو حق کے راستہ سے جیسے وہ خود گمراہ ہوئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم کو بھی اپنی لڑی میں پرو دیں ان کو ان کی اپنی ضلالت کافی نہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اوروں کو اپنے ساتھ گمراہ کردیں'' اور اللہ زیادہ جانتا ہے'' تم سے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ نے تم کو ان کی عداوۃ کی خبر دے دی اور ان کے احوال اور جو کچھ وہ تم سے چاہتے ہیں

کی خبر دے دی ہے۔ ان سے بچو اپنے معاملات میں ان کی نصیحت بھی قبول نہ کرو اور ان سے مشورہ بھی نہ لو۔ ''اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار'' تم اللہ کی ولایت اور امداد پر اعتماد کرو نہ کہ کسی غیر کی امداد پر یا یہ کہ تم نہ پروا کرو ان کی اللہ ان کے مقابلہ میں تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہارے لیے کافی ہوگا ان کے مکر وفریب سے۔''

www.OnlyOneOrThree.com

یہود کا بلا وجہ حسد

ام یحسدون الناس علیٰ ما اتھم اللہ من فضلہ فقد اتینا آل ابراھیم الکتٰب والحکمۃ وآتینھم ملکاً عظیما (النساء آیت نمبر ۵۴)

ترجمہ: ''کیا یہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور علم اوران کو دی ہم نے بڑی سلطنت۔''

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''کیا یہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب پر اللہ کے فضل وانعام کو دیکھ کر حسد میں مرجاتے ہیں سو یہ تو بالکل ان کی بے ہودگی ہے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیم کے گھرانے میں کتاب علم اور سلطنت عظیم عنایت کی ہے۔ پھر یہود آپ کی نبوۃ اور عزت پر کیسے حسد اور انکار کرتے ہیں۔ آپ بھی تو حضرت ابراہیم ہی کے گھرانے میں ہے۔'' (تفسیر عثانی ص ۲۳۸۱)

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ام یحسدون الناس'' بل أیحسدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنین علیٰ انکار الحسد واستقباحہ وکانوا یحسدونھم علیٰ ما آتھم اللہ من النصرۃ والغلبۃ وازدیادِ العزِ والتقدم کل یوم ''فقد آتینا'' الزام لھم بما عرفوہ من أیتاء اللہ الکتاب والحکمۃ ''آل ابراھیم'' الذین ھم اسلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانہ لیس ببدع ان یؤتیہ اللہ مثل ما آتی اسلافہ وعن ابن عباس الملک

فی آل ابراهیم ملک یوسف وداؤد و سلیمان. (کشاف ج۱ص۵۲۲)

ترجمہ: کیا یہ حسد کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ بلکہ کیا یہ حسد کرتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے ساتھ یہ حسد کی قباحت اور حسد پر انکار ہے اور یہود حسد اس وجہ سے کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرۃ کر رہا ہے ان کو غلبہ دے رہا ہے اور ان کو عزت سے نواز رہا ہے اور دن بدن ان کو ترقی ہو رہی ہے ''بے شک ہم نے دی'' یہ یہود پر بطور الزام کے ہے کہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت ''آل ابراہیم'' کو دی تھی جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلاف تھے اور ان کے بارے میں یہ نئی بات نہیں ہے کہ جو کچھ ان کے اسلاف کو دیا گیا تھا وہ ان کو بھی دے دیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آل ابراہیم میں سلطنت اور حکومت جو اللہ کریم نے حضرت یوسف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو دی تھی مراد ہے۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله تعالى "أم يحسدون" يعنى اليهود "الناس" يعنى النبى صلى الله عليه وسلم خاصة عن ابن عباس و مجاهد وغيرهما حسدوه على النبوة واصحابه على ايمان به. وقال قتادة "الناس" العرب حسدتهم اليهود على النبوة. وقال الضحاک حسدت اليهود قريشا لان النبوة فيهم والحسد مذموم وصاحبه مغموم وهو يأكل الحسنات كماتأكل النار الحطب رواه انس عن النبى صلى الله عليه وسلم وقال الحسن مارائيت ظالماً اشبه بمظلوم من حاسد. نفس دائم. وحزن لازم. وعبرة لا تنفد وقال عبدالله بن مسعود لا تعادوا نعم الله قيل ومن يعادى نعم الله قال الذين يحسدون الناس

علٰی ما آتٰھم اللہ من فضلہ یقول اللہ تعالٰی فی بعض الکتب الحسود عدو نعمتی متسخط لقضائی غیر راض بقسمتی. ویقال الحسد اول ذنب عصی اللہ بہ فی السماء و اول ذنب عصی بہ فی الارض فاما فی السماء فحسد ابلیس لآدم واما فی الارض فحسد قابیل لھابیل (الجامع لاحکام القرآن ج۵ص۲۵۱)

ترجمہ: ''اللہ کریم کا ارشاد'' کیا یہ حسد کرتے ہیں'' یعنی یہود'' لوگوں کے ساتھ'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد بوجہ نبوۃ کے کرتے تھے اور آپ کے صحابہ کے ساتھ بوجہ آپ پر ایمان لانے کے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ ''الناس'' سے مراد عرب ہیں یہود عرب کے ساتھ ان میں نبوۃ کا اعزاز آنے کی وجہ سے حسد کرتے تھے۔ حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ یہود نے قریش سے حسد کیا اس لیے کہ نبوۃ قریش میں تھی۔ حسد مذموم ہے حاسد ہمیشہ مغموم رہتا ہے اور حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔ اس کو حضرت انسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے اور حضرت حسن کہتے ہیں کہ میں نے کوئی ظالم ایسا نہیں دیکھا جو مظلوم کے مشابہ ہو سوائے حاسد کے۔ اس کی نگاہیں ہمیشہ حسد سے بھری ہوتی ہیں اور غم وحزن اس کو لگا رہتا ہے اور اس کا غم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کے ساتھ دشمنی نہ کرو آپ سے پوچھا گیا کہ کون اللہ کی نعمتوں سے دشمنی کرتا ہے۔ فرمایا کہ وہ شخص جو لوگوں کے ساتھ اس چیز پر حسد کرتا ہے جو اللہ تعالٰی نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے۔ اللہ تعالٰی اپنی بعض کتابوں میں فرماتے ہیں کہ حاسد میری نعمتوں کا دشمن ہے اور

میرے فیصلے پر ناراض ہے اور میری تقسیم پر راضی نہیں اور کہا جاتا ہے کہ حسد ہی وہ پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے سب سے پہلے آسمان میں اللہ کی نافرمان کی گئی اور پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے زمین میں سب سے پہلے اللہ کی نافرمانی کی گئی ہے۔ آسمان میں ابلیس کا حسد سیدنا آدم کے ساتھ اور زمین میں قابیل کا حسد ہابیل کے ساتھ۔"

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اختلفوا فی تفسیر الفضل الذی لأجله صاروا محسو دین قولین "فالقول الاول" انه هو النبوة والكرامة الحاصلة بسببها فی الدین والدنیا "والقول الثانی" انهم حسدوه علیٰ انه کان له من الزوجات تسع. واعلم ان الحسد لا یحصل الا عند الفضیلة فکلّما کانت فضیلة الانسان اتم واکمل کان حسد الحاسدین علیه اعظم ومعلوم أن النبوة اعظم المناصب فی الدین ثم انه تعالیٰ اعطاه لمحمد صلی الله علیه وسلم وضم الیها انه جعله کل یوم اقوی دولة اعظم شوکة واکثر انصاراً واعواناً و کل ذالک ممایوجب الحسد العظیم فاما کثرة النساء فهو کالأمر الحقیر بالنسبة الیٰ ما ذکرناه. فلا یمکن تفسیر هذا الفضل به بل ان جعل الفضل اسماً لجمیع ما انعم الله تعالیٰ به علیه دخل هذا ایضاً تحته فاما علیٰ سبیل القصر علیه فبعیدٌ.

واعلم انه تعالی لما بین أن کثرة نعم الله علیه صارت سبباً لحسد هولاء الیهود بین ما یدفع ذالک فقال "فقد آتینا آل ابراهیم الکتاب والحکمة وآتیناهم ملکاً عظیما" والمعنی انه حصل فی اولاد ابراهیم جماعة کثیرون جمعوا بین النبوة والملک وانتم لا تتعجبون من ذالک ولا تحسدونه فلم تتعجبون من حال محمد

ولم تحسدونه (تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۱۳۳)

ترجمہ: ''فضل کی تفسیر میں جس کی وجہ سے یہود حسد کرنے لگے تھے اختلاف ہے۔ دو قول ہیں ایک یہ کہ فضل سے نبوۃ اور نبوۃ کی وجہ سے جو کرامت دین و دنیا میں حاصل ہوئی ہے مراد ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یہود کی حسد کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی۔ یہ بات جان لو کہ حسد فضیلت کے بغیر نہیں ہوتی پھر جس انسان کی فضیلت جتنی مکمل اور تام ہوگی اتنا ہی حاسدین کا حسد اس پر زیادہ ہوگا اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ نبوۃ کا کام منصب دین میں عظیم اور اعلیٰ ترین منصب ہے۔ اللہ کریم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوۃ عطا فرمائی اور یہ مزید امداد بھی فرمائی کہ دن بدن آپ کی حکومت قوی ہوتی گئی۔ عزت وشوکت میں اضافہ ہوتا گیا اور آپ کے اعوان وانصار برابر بڑھتے گئے۔ یہ تمام باتیں حسد عظیم کی موجب ہیں بنسبت تعدد ازواج کے وہ ان فضائل کے بالمقابل ایک کم درجہ کی چیز ہے۔ تو اس فضیلت کی تفسیر صرف اس کے ساتھ ممکن نہیں بلکہ فضل ان تمام نعمتوں کا نام ہے جو نعمتیں اللہ کریم نے آپ پر فرمائیں ہیں اور تعداد ازواج والی نعمت بھی انہی میں شامل ہے لیکن فضل کو صرف تعداد ازواج میں منحصر کرنا بہت مشکل ہے۔''

''جان لو کہ جب اللہ کریم کی نعمتوں کی کثرت حاسدین کے حسد کا سبب بنا ہے تو اللہ کریم نے ان کے حسد کو رد کرتے ہوئے فرمایا'' کہ ہم نے تو اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور عظیم سلطنت دی تھی'' حاصل اس کا یہ ہے کہ اولاد ابراہیمؑ میں بہت حضرات ایسے ہوئے ہیں جن میں نبوۃ سلطنت دونوں جمع ہوئی ہیں۔ تو تم ان پر نہ تو تعجب کرتے ہو اور نہ ہی حسد۔ تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر کیوں تعجب اور حسد کرتے ہو۔''

اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللّٰہ لا یھدی القوم الظلمین

(المائدہ آیت ۵۱)

ترجمہ: اے ایمان والومت بناؤ یہود ونصاریٰ کو دوست وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں سے ہے اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ینھی تبارک وتعالیٰ عبادہ المؤمنین عن موالاۃ الیھود و النصاریٰ الذین ھم اعداء الاسلام واھلہ (قاتلھم اللّٰہ) ثم اخبر ان بعضھم اولیاء بعض ثم تھدد وتوعد من یتعاطیی ذالک. فقال ومن یتولھم منکم فانہ منھم" الآیہ قال ابن ابی حاتم حدثنا کثیر بن شھاب حدثنا محمد یعنی ابن سعید بن سابق حدثنا عمرو بن ابی قیس عن سماک بن حرب عن عیاض ان عمرؓ امر ابا موسی الاشعریؓ ان یرفع الیہ ما أخذ وما اعطی فی ادیم واحد وکان لہ کاتب نصرانی فرفع الیہ ذالک فعجب عمرو قال ان ھذا لحفیظ. ھل انت قارئ لنا کتابا فی المسجد جاء من الشام فقال انہ لا یستطیع فقال عمر

اجنبٌ هو؟ قال لا بل نصرانی. قال فانتهرنی وضرب فخذی ثم قال اخرجوه ثم قراء "یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء" الآیہ ثم قال حدثنا محمد بن الحسن بن محمد بن اصباح حدثنا عثمان بن عمر انبأنا ابوعون عن محمد بن سیرین قال قال عبداللہ بن عتبة لیتق احدکم ان یکون یھودیاً او نصرانیا وھو لا یشعر. قال یظننا یرید ھذہ الآیتہ "یاایھا الذین آمنوا لاتتخذوا الیھود و النصاریٰ اولیاء" (تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۱۰۸)

ترجمہ: "اللہ کریم اپنے ایمان دار بندوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ موالات سے منع فرما رہے ہیں جو کہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں "اللہ ان کو تباہ کرے" پھر اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ پھر اللہ کریم نے دھمکی دی اور وعید سنائی ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ موالات رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ "تم میں سے جو ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا" حضرت عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو فرمایا کہ جو لین دین آپ نے کی ہے اس کی رپورٹ ایک صفحہ پر پیش کر دو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا منشی ایک نصرانی تھا اس نے وہ رپورٹ اسی طرح پیش کر دی حضرت عمرؓ نے اس کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو اچھا نگران ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے پاس شام سے ایک خط آیا ہے تم وہ مسجد میں ہمیں پڑھ کر سنا دو گے انہوں نے کہا کہ یہ ایسا نہیں کر سکتا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جنابت میں ہے کہا کہ جنابت میں تو نہیں ہے لیکن نصرانی ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ اس کو نکال دو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوۃ فرمائی "یاایھا

الـذين آمنوا لا تتخذوا اليهود و النصاریٰ اولیاء'' حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو اس سے بچنا چاہیے کہ وہ غیر شعوری طور پر یہودی یا نصرانی بن جائے۔ ہم نے سمجھ لیا کہ ان کا اشارہ ''یا ایھا الـذین آمـنـوا لا تتخذو الیھود والنصاری اولیاء'' کی طرف ہے۔''

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لا تتـخـذوهـم اولـيـاء تـنـصـرونهـم وتستـنـصـرونهـم وتواخونهم وتـصـافـونهـم وتـعاشرو نهم معاشرة المؤمنين ثم علل النهى بقوله "بـعـضـهـم اولياء بعض" اى انما يوالى بعضهم بعضاً لا تحاد ملتهم واجتـمـاعهـم فى الـكـفـر فما لمن دينه خلاف دينهم ولموا لاتهم "ومن يولهم منكم فانه" من جملتهم وحكمه حكمهم. وهذا تغليظ مـن الـلـه وتشديد فى وجوب مجانبة المخالف فى الدين واعتزاله. كـمـا قـال رسـول الله صلى الله عليه وسلم لا تراء ى ناراهما ومنه قـول عمرؓ لا بى موسىٰ فى كاتبه النصرانى. لا تكرموهم اذا أهانهم الـلـه ولا تأمنوهم اذ خونهم الله ولا تدنوهم اذ اقصاهم الله. وروى انـه قـال لـه ابـو موسىٰ لا قوام للبصرة الا بـه فـقـال مات النصرانى والسلام. يـعـنـى هـب انـه قـدمـات فـمـا كنت تكون صانعاً حينئذٍ فاصنعه الساعة واستغن عنه بغيره "ان الله لا يهدى القوم الظلمين" يـعـنـى الـذيـن ظـلـمـوا أنـفسهم بموالاة الكفر يمنعهم الله الطافه ويخذلهم مقتالهم (الکشاف للزمخشری ج ۱ ص ۶۴۲)

ترجمہ: ''تم ان کو ایسا دوست مت بناؤ کہ تم ان کی امداد کرو اور وہ تمہاری

امداد کریں اور ان سے مواخاۃ و بھائی چارہ نہ کرو اور ان کے ساتھ ایسی معاشرت نہ کرو جیسی معاشرت اہل ایمان سے کی جاتی ہے۔ اس نہی کی علت اللہ کریم نے یہ بیان فرمائی کہ یہ ''آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں'' یعنی یہ ایک دوسرے کے ساتھ موالات اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کی ملت متحد ہے اور کفر میں یہ لوگ مجتمع ہیں۔ پس وہ شخص جس کا دین ان کے دین سے مختلف ہو اس کو ان کی موالات سے کیا حاجت ''جو ان سے موالات کرے وہ ان میں سے ہے'' یعنی اس کا شمار انہیں میں سے ہو گا اور جو حکم ان کا ہے وہ حکم اس کا ہو گا یہ اللہ کریم کی طرف سے انتہائی سختی ہے کہ اپنے دین کے مخالف سے دور رہنا اور الگ ہونا واجب ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دوری اتنی ہونی چاہیے کہ ایک دوسرے کی آگ نظر نہیں آنی چاہیے اور اسی قسم کا قول سیدنا عمر کا سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے نصرانی منشی کے بارے میں ہے ''کہ جب اللہ کریم نے ان کو ذلیل کیا ہے تو تم ان کا اکرام نہ کرو اور جب اللہ کریم نے ان کو خائن قرار دیا ہے تو تم ان کو امین نہ سمجھو اور جب اللہ کریم نے ان کو دور کر دیا ہے تو تم ان کو قریب مت کرو۔ روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ بصرہ کا استحکام اس نصرانی غلام کے بغیر نہیں ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا نصرانی مر گیا ہے (والسلام) یعنی فرض کرو یہ نصرانی مر گیا تو اس وقت تم کو جو کچھ کرنا ہے وہ اب کر لو اور کسی دوسرے کے ذریعہ سے ابھی سے اپنے آپ کو اس سے مستغنی کر لو'' بے شک اللہ کریم ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا'' یعنی جن لوگوں نے کفار کے ساتھ موالات اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اللہ کریم ان پر اپنی مہربانی روک دے گا اور ان پر اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے ان کو رسوا کرے گا۔''

علامہ رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی ان عبادة بن الصامتؓ جاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فتبراء عنده من موالات الیهود. فقال عبدالله بن ابی لکنی انا لاأتبراء منهم لأنی اخاف الدوائر فنزلت هذه الآية و معنی لا تتخذوهم اولیاء ای لا تعتمدوا علی الاستنصاربهم ولا تتو ددوا الیهم (تفسیر کبیر ج۱۲ص۱۶)

ترجمہ: ''روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کے سامنے انھوں نے یہودیوں سے برأت کا اظہار کیا تو عبداللہ بن ابی نے کہا کہ میں تو ان سے برأت کا اعلان نہیں کرتا اس لیے کہ مجھے زمانہ کے گردش کا خوف ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ان کو دوست نہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی مدد پر اعتماد نہ کرو اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار مت کرو۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یا ایها الذین آمنوا خطاب یعم حکمه کافة المؤمنین من المخلصین وغیرهم وان کان سبب وروده بعضاً کما ستعرفه (ان شاء الله'' ووصفهم بعنوان الایمان لحملهم من اول الامر علی الانزجار عما نهوا عنه بقول سبحانه تعالیٰ ''لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء'' فان تذکیر اتصافهم بضد صفات الفریقین من اقوی الزواجر عن موالاتهما ای لا یتخذ احداً منکم احداً منهم ولیاً بمعنی لا تصافوهم مصافاة الاحباب ولا تستنصروهم. اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن السدی قال لما کانت وقعة احدٍ اشتدعلی طائفة من

الناس وتخوفوا ان تدال عليهم الكفار فقال رجل لصاحبه اما انا فألحق بذالك اليهودی فأخذمنه اما ناً وأتهود معه فانی اخاف ان تدال علينا اليهود. وقال الآخر اما انا فألحق بفلان النصرانی ببعض ارض الشام فأخذمنه اماناً واتنصر معه فانزل الله فيهما ينها هما "يا ايها الذين آمنوا" (روح المعانی ج۶ ص ۱۵۶)

ترجمہ: ''ایمان والو! اس خطاب کا حکم تمام اہل ایمان کو عام ہے چاہے وہ مخلص اہل ایمان ہوں یا غیر مخلص۔ اس کا سبب نزول اگر چہ ایک سے زائد ہے جیسا کہ انشاءاللہ تم ابھی جان جاؤ گے۔ ان کو ایمان کے عنوان سے متصف کیا ہے۔ کیونکہ ان کو پہلے ہی لمحے میں جس چیز سے روکا گیا ہے اس سے نہ رکنے کی صورت میں ان کو ڈانٹا گیا ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے کہ اے ایمان والو! تم نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست فریقین کی صفات کے برعکس صفت سے ان کا تذکرہ ان دونوں فریقوں کی موالات سے روکنے کا قوی ترین باعث ہے یعنی تم سے کوئی ایک ان میں سے کسی ایک کو ولی اور دوست نہ بنائے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے ساتھ دوستوں والا معاملہ نہ کرو اور ان سے مدد نہ چاہو۔''

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے نقل کیا ہے کہ جب جنگ احد کا واقعہ پیش آیا تو کچھ لوگوں پر جب جنگ کی سختی اور دشواری آئی تو ان کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ کفار ہم پر پلٹہ کھا کر غالب ہو جائیں گے۔ تو ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تو فلاں یہودی کے پاس چلا جاؤں گا اور اس سے امان لے کر یہودی ہو جاؤں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ملک شام میں فلاں نصرانی کے پاس جا کر اس سے امان حاصل کر کے نصرانی ہو جاؤں گا۔ اللہ کریم نے ان دونوں کے بارے میں یہ

آیت نازل فرمائی۔

علامہ مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

"یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود و النصاریٰ اولیاء" ای لا یوالی افراداً او جماعات من المسلمین اولئک الیھود و النصاری المعاندین للنبی و المؤمنین ویعاھدونھم علی التناصر من دون المؤمنین رجاءً ان یحتاجوا الیٰ نصرھم اذا اخذل المسلمون وغلبوا علیٰ امرھم. وقال ابن جریر ان اللہ تعالیٰ نھی المؤمنین جمیعاً ان یتخذوا الیھود و النصاری انصاراً وحلفاء علیٰ اھل الایمان باللہ ورسولہ واخبر أن من اتخذھم نصیراً او حلیفاً وولیاً من دون اللہ ورسولہ فھو منھم فی التحزب علی اللہ ورسولہ والمؤمنین وأن اللہ ورسولہ منہ بریئان (تفسیر المراغی ج۶ص ۱۳۶)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست" یعنی مسلمان انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنائیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے معاندین ہیں۔ اس امید پر کہ مسلمان ناکام ہو جائیں گے اور اپنے معاملہ میں مغلوب ہو جائیں گے اور پھر ہم کو یہود و نصاریٰ کی امداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ کوئی معاہدہ نصرت طلب کرنے کے لیے مومنین کو چھوڑ کر نہ کریں۔ ابن جریر نے کہا ہے کہ اللہ کریم نے تمام اہل ایمان کو منع فرمایا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کو اپنا حلیف اور مددگار بنائیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کے مقابلہ میں اور خبردار کیا ہے کہ مومنین میں سے جو کوئی ان کو اپنا مددگار اور حلیف بنائے گا تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول اور مومنین کے مقابلہ میں یہود کی جماعت سے ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وہ بری الذمہ ہوں گے۔"

اپنے دین کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کو دوست نہ بناؤ

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذو الذین اتخذوا دینکم ھزواً ولعباً من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین (المائدہ ۵۷)

ترجمہ: ''ایمان والو مت بناؤ دوست ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی تم سے پہلے اور نہ کافروں کو اپنا دوست بناؤ اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے۔''

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالات کفار سے منع کیا گیا تھا اس آیت میں ایک خاص موثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی۔ ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم ومحترم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اسے بتایا گیا کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن واستہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ اذان وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فرد مسلم جس کے دل میں خشیت الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ ورسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لیے گوارا کرے گا۔ اگر ان کے کفر وعناد اور عداوت اسلام سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو دین قیم کے ساتھ ان کا یہ تمسخر واستہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔''

(تفسیر عثمانی ص ۳۶۰)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

روی ان رفاعۃ بن زید وسوید بن الحرث کا ناقد اظھر الاسلام ثم نافقا وکان رجال من المسلمین یوا دونھما فنزلت یعنی ان اتخاذھم دینکم ھزواً ولعباً ان یقابل باتخاذکم ایاھم اولیاء بل

یقابل ذالک بالبغضاء والشنآن والمنابذة وفصل المستھزئین باھل الکتاب والکفار وان اھل الکتاب من الکفار. اطلاقا للکفار علی المشرکین خاصۃً و الدلیل علیه قراة عبدالله.

(الکشاف للزمخشری ج ۱ص ۶۵۰)

ترجمہ: ''روایت ہے کہ رفاعہ بن زید اور سوید بن الحرث نے پہلے اسلام کا اظہار کیا پھر منافق ہو گئے۔ مسلمانوں کے کچھ لوگ ان کے ساتھ دوستی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی ان کا تمہارے دین کو کھیل اور مذاق بنانے کے بدلے یہ مناسب نہیں کہ تم ان کے ساتھ دوستی رکھو بلکہ ان کے اس فعل کے بدلے ان کے ساتھ بغض اور عداوت مناسب ہے اور اگر تمہارے ان کے ساتھ دوستانہ مراسم ہیں تو ختم کر دو۔ مستہزئین کی تفصیل میں اہل کتاب اور کفار کا ذکر کیا جبکہ اہل کتاب کفار میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ یہاں کفار سے مراد صرف مشرکین ہیں اس پر حضرت عبداللہ کی قرات دلالت کرتی ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھذا تنفیر من موالاة اعداء الاسلام واھله من الکتابین والمشرکین الذین یتخذون افضل ما یعمله العاملون وھی شرائع الاسلام المطھرة المحکمة المشتملة علیٰ کل خیر دنیوی واخروی یتخذونھا ھزواً یستھزؤن بھا ولعباً یعتقدون انھا نوع من اللعب فی نظرھم الفاسد وفکرھم البارد کما قال القائل وکم من عائب قولا صحیحاً وآفته فی الفھم السقیم. (تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۱۱۴)

ترجمہ: ''یہ نفرت دلانا ہے اسلام کے دشمنوں اور ان کے اہل وعیال کے

ساتھ موالات سے جو اہل کتاب اور مشرکین میں سے ہیں کہ وہ اس افضل اور بہترین عمل کو جس پر عاملین عمل کرتے ہیں یعنی شرائع اسلامی جو کہ پاکیزہ اور محکم ہیں اور ہر قسم کے خیر دنیوی واخروی پر مشتمل ہیں کو مذاق بناتے ہیں اور اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور اپنی نظر فاسد اور فکر بد کی وجہ سے اس کو ایک قسم کا کھیل بنالیا ہے۔ یہ لوگ یہ اعتقاد کیے ہوئے ہیں کہ یہ ایک قسم کا کھیل تماشا ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو کہ صحیح قول میں بھی عیب چینی کرتے ہیں اور آفت تو ان کی اپنی بیمار فہم میں ہے۔"

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالیٰ نهی فی الآیة المتقدمة عن اتخاذ الیهود اولیاء وساق الکلام فی تقریره ثم ذکر ههنا النهی العام عن موالاة جمیع الکفار. (تفسیر کبیر ج ۱۲ ص ۳۲)

ترجمہ: "جان لو کہ اللہ کریم نے یہود کو دوست بنانے سے پہلی آیت میں منع فرمایا تھا پھر اسی ممانعت کو ثابت کرنے کے لیے کلام لائے اور اس آیت میں اللہ کریم نے عام نہی کا حکم فرمایا یعنی ہمہ قسم کے کفار سے موالات ممنوع قرار دی گئی۔"

شیخ مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

ای لا تتخذوا الیهود و النصاری الذین جائتهم الرسل والانبیاء وانزلت علیهم الکتب من قبل بعث نبینا صلی الله علیه وسلم وقبل نزول کتابنا. اولیاء وانصاراً حلفاء. فانهم لا یألونکم خبالاً وان اظهروا لکم مودة وصداقة. ذالک لانهم اتخذوا هذا الذین هزواً ولعباً فکان احدهم یظهر الایمان للمؤمنین وهو علیٰ کفره مقیم.

وبعد اليسير من الزمن يظهر الكفر بلسانه بعد ما كان يبدی الایمان قولا وهو مستبطين للكفر تلاعباً بالدين واستهزاءً به كما قال تعالیٰ عنهم "واذا القوا الذين آمنوا قالوا امنا واذا خلوا الیٰ شياطينهم قالوا انا معلكم انما نحن مستهزؤن" وكذالک نهی الله عن موالاة جميع المشركين لان موالاة المسلمين لهم بعد ان اظهرهم عليهم بفتح مكة ودخول الناس فی دين الله افواجاً تكون قوةً لهم واقراراً علیٰ شركهم الذی جأ الاسلام لمحوه من جزيرة العرب (تفسیر المراغی ج۶ص۱۴۶)

ترجمہ: ''تم ان یہود ونصاریٰ کو دوست مددگار اور حلیف مت بناؤ جن کی طرف انبیاء ورسل ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے اور جن پر کتابیں ہماری کتاب سے پہلے نازل ہوئیں۔ کیونکہ بظاہر اگرچہ وہ تمہارے سامنے تمہاری دوستی کا دم بھرتے ہیں لیکن تمہاری خرابی میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس دین کو کھیل اور مذاق بنایا ہے۔ پس ان میں سے کوئی ایک مومنین کے سامنے تو ایمان کا اظہار کرتا ہے لیکن اندر سے وہ اپنے کفر پر قائم ہوتا ہے اور تھوڑے ہی وقت کے بعد اس کی زبان سے کفر کا اظہار ہونے لگتا ہے جبکہ زبانی وہ ایمان کا اظہار کرتا ہے لیکن دین کے ساتھ بطور مذاق کے دل میں کفر چھپائے رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ''کہ جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین کے ساتھ ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں'' اس طرح اللہ کریم نے تمام مشرکین کے ساتھ موالات سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ فتح

مکہ کی وجہ سے مسلمانوں کے غلبے اور لوگوں کا اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے کے بعد مشرکین کے ساتھ موالاۃ رکھنا مشرکین کی قوۃ اور ان کو کفر و شرک پر ثابت قدم رکھنے کا ذریعہ ہوگا جبکہ اسلام کفر کو جزیرۃ العرب سے مٹانے کے لیے آیا ہے۔''

یہود اور مشرکین مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں

لتجدن اشد الناس عداوۃً للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا ولتجدن اقربھم مودۃً للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالک بان منھم قسیسین ورھباناً وانھم لا یستکبرون (المائدہ آیت ۸۲)

ترجمہ: ''تو پائے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پائے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔''

علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا محض اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور بغض کی وجہ سے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن اقوام سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا۔ ان میں یہ دو قومیں یہود و مشرکین علی الترتیب اسلام اور مسلمین کی شدید ترین دشمن تھیں۔ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیاں تو اظہر من الشمس ہیں لیکن ملعون یہودیوں نے بھی کوئی کمینی سے کمینی حرکت اٹھا نہیں رکھی۔ حضور کی بے خبری میں پتھر کی چٹان گرا کر شہید کرنا چاہا کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی۔ سحر اور ٹوٹکے کراتے غرض غضب اور لعنت پر لعنت حاصل کرتے رہے اس کے بالمقابل نصاریٰ باوجودیکہ وہ بھی کفر میں مبتلا تھے اسلام سے جلتے تھے مسلمانوں کا عروج ان کو ایک نظر نہ بھاتا تھا۔ تاہم ان میں قبول حق کی استعداد ان دونوں گروہوں سے زیادہ تھی انکے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبتاً جلد مائل ہو جاتے ہیں اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت عیسائیوں میں علم دین کا چرچا

دوسری قوموں سے زائد تھا۔ اپنے طریقہ کے مطابق ترک دنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے ان میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ نرم دلی اور تواضع ان کی خاص صفت تھی جس قوم میں یہ خصال بکثرت پائی جائیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ قبول حق سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں۔ جہل حب دنیا' حسد و تکبر وغیرہ۔ نصاریٰ میں قسیسین کا وجود جہل کو رہبان کی کثرت حب دنیا کو اور نرم دلی اور تواضع کی صفت کبر و نخوت وغیرہ کو کم کرتی تھی۔ چنانچہ قیصر روم' مقوقس مصر اور نجاشی ملک حبشہ نے جو کچھ برتاؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رسالت کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد ہے کہ اس وقت نصاریٰ میں قبول حق اور مودۃ مسلمین کی صلاحیت نسبتاً دوسری قوموں سے زائد تھی۔'' (تفسیر عثمانی ص ۳۷۳)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وذكر البيهقى عن ابن اسحاق قال قدم على النبى صلى الله عليه وسلم عشرون رجلاً وهو بمكة او قريب من ذالك من النصارى حين ظهر خبره من الحبشة فوجدوه فى المسجد وسألوه ورجال من قريش فى انديتهم حول الكعبة فلما فرغوا من مسئلتهم رسول الله صلى الله عليه وسلم عما ارادوا دعاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الله عزوجل وتلاعليهم القرآن فلما سمعوه فاضت اعينهم من الدمع ثم استجابوا له وآمنوا به وصدقوه وعرفوا منه ما كان يوصف لهم فى كتابهم من امره فلما قاموا من عنده اعترضهم ابو جهل فى نفر من قريش فقالوا خيبكم الله فى نفر من ركب. بعثكم من وراء كم من اهل دينكم ترتا دون لهم فتاتونهم بخبر الرجل فلم تظهر مجالستكم عنده حتى فارقتم دينكم وصدقتموه بما قال لكم مانعم ركبا احمق منكم او كما قال لهم. فقالوا سلام

علیکم لا نجاھلکم لنا اعمالنا ولکم لأنالو انفسنا خیراً.

(تفسیر قرطبی ج٦ص ٢٥٦)

ترجمہ: ''بیہقی نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ حبشہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ظاہر ہونے کے بعد نصاریٰ کے بیس آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں موجود پایا تو انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کیے اور مشرکین کے کچھ لوگ کعبہ کے گرد اپنی مجلس جمائے بیٹھے تھے۔ جب یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کر کے فارغ ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم پڑھ کر سنایا تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے اور انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی اور انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں وہی صفات پائیں جو ان کی کتب میں آپ کے تھے۔ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے فارغ ہو کر جانے لگے تو ابو جہل قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے ملا اور کہا کہ اللہ تمہاری اس جماعت کو غارت کرے تمہارے دین کے لوگوں نے تم کو اس لیے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کی خبر ان تک لے جاؤ گے اور وہ تمہاری واپسی کا انتظار کرتے ہوں گے اور ابھی تمہاری ملاقات اس کے ساتھ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور اس کی تصدیق کر لی میں نے تم جیسا احمق وفد نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ تم کو سلام! ہم جاہلوں کے ساتھ الجھنا نہیں چاہتے۔ ہمارے لیے ہمارا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہم تمہارے ساتھ الجھنے میں اپنی خیر نہیں پاتے''

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انہ تعالٰی لما ذکر من احوال اھل الکتاب من الیھود و

النصاریٰ ما ذکرہ. ذکر فی هذه الآیة أن الیهود فی غایة العداوة مع المسلمین ولذالک جعلهم قرناءً للمشرکین فی شدة العداوة بل نبه علیٰ انهم اشد عداوة من المشرکین من جهة انه قدم ذکرهم علیٰ ذکر المشرکین ولعمری انهم کذالک وعن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال "ما خلا یهودیان بمسلم الاهما بقتله" وذکر الله تعالیٰ أن النصاری الین عریکة من الیهود وأقرب الی المسلمین منهم (تفسیر ج۱۲ص۶۶)

ترجمہ: ''جان لو کہ اللہ کریم نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے جو احوال ذکر فرمانے تھے وہ ذکر فرما لیے ہیں۔ اس آیت میں ذکر فرمایا کہ یہود مسلمانوں کے ساتھ انتہائی عداوت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کریم نے ان کو یہود کو شدۃ عداوت میں مشرکین کا مصاحب قرار دیا ہے۔ بلکہ اس بات پر متنبہ فرمایا کہ ان کی عداوت مشرکین کی عداوت سے زیادہ ہے اسی وجہ سے ان کا ذکر مشرکین سے پہلے کیا گیا اور میری عمر کی قسم یہود ایسے ہی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دو یہودی کسی مسلمان کے ساتھ تنہائی میں ملتے ہیں تو وہ اس مسلمان کے قتل کا ارادہ کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے بیان فرمایا نصرانی نرم طبیعت ہیں۔ یہودیوں سے اور یہودیوں کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

(وههنا مسألتان) الاولی قال ابن عباس وسعید بن جبیر وعطاء والسدی المراد به النجاشی وقومه الذین قدموا من الحبشة علی الرسول صلی الله علیه وسلم وآمنوا به ولم یرد جمیع النصاریٰ

مع ظهور عداوتهم للمسلمين وقال آخرون مذهب اليهود أنه يجب عليهم ايصال الشر الیٰ من يخالفهم من الدين بأی طريق كان فان قدروا علی القتل فذاک والا فبغصب المال او بالسرقة أو بنوع من المكر والكيد والحيلة وأما النصاریٰ فليس مذهبهم ذاک بل الايذاء فی دينهم حرام فهذا هو وجه التفاوت (کبیر)

ترجمہ: ''یہاں دو مسئلے ہیں۔ پہلا یہ کہ حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ عطاء اور سدیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں نصاریٰ سے مراد نجاشی اور ان کی وہ قوم ہے جو حبشہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ تمام نصاریٰ اس سے مراد نہیں اس لیے کہ نصاریٰ کی مسلمانوں سے عداوۃ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے۔

دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہود کا مذہب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے دین کے مخالف کو تکلیف پہنچاتے ہیں جیسے ممکن ہو سکے اگر قتل کرنے پر قادر ہوں تو قتل کر دیتے ہیں۔ اگر وہ نہ ہو سکے تو مال غصب کرتے ہیں اپنے مخالف کی چوری کرتے ہیں کسی بھی مکر و فریب اور حیلے سے اپنے مخالف کے نقصان سے وہ چوکتے نہیں۔ نصرانیوں کا مذہب یہ نہیں ہے بلکہ ان کے مذہب میں کسی کو ایذا دینا حرام ہے یہ فرق کی وجہ ہے یہود و نصاریٰ میں۔''

"المسئالة الثانيه" المقصود من بيان هذا التفاوت تخفيف امر اليهود على الرسول صلى الله عليه وسلم واللام فی قوله (لتجدن) لام القسم والتقدير قسماً انک تجد اليهود والمشركين أشد الناس عداوة مع المؤمنين وقد شرحت لک۔ أن هذا التمرد والمعصية عادة قديمة لهم ففرغ خاطرک عنهم ولا تبال بمكرهم

و کیدھم (کبیر)

ترجمہ: ''دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اس فرق کو بیان کرنے سے مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود کے معاملہ کو ہلکا کرنا ہے۔ ''لتجدن'' میں ''لام'' قسم کے لیے ہے تقدیر یہ کہ قسم ہے۔ آپ یہود و مشرکین کو مسلمانوں کے ساتھ زیادہ سخت عداوۃ والا پائیں گے دوسرے لوگوں سے اور ہم نے آپ کو بیان کر دیا کہ یہ سرکشی اور عصیان ان کی قدیم عادت ہے آپ اپنے دل مبارک کو ان کے خیال سے خالی کر دیں اور ان کے مکر و فریب کی پرواہ مت کیجئے۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں:

وعلة هذا التفاوت ان اليهود مخصوصون بالحرص الشديد على الدنيا و الدليل عليه قوله تعالى ''ولتجدنهم احرص الناس علىٰ حياة ومن الذين اشركوا'' فقرنهم فى الحرص بالمشركين المنكرين للمعاد والحرص معدن الاخلاق الذميمة لأن من كان حريصا على الدنيا طرح دينه فى طلب الدنيا و اقدم علىٰ كل محظور و منكر بطلب الدنيا فلا جرم تشتد عداوته مع كل من نال مالاً او جاهاً واما النصارىٰ فانهم فى اكثر الامر معرضون عن الدنيا مقبلون على العبادة وترك طلب الرياسة والتكبر والترفع وكل من كان كذالك فانه لا يحسد الناس ولا يؤذيهم ولا يخاصمهم بل يكون لين العريكة فى طلب الحق سهل الانقياد له فهذا هو الفرق بين هذين الفريقين فى هذا الباب وهو المراد بقوله تعالىٰ ''ذالك بأن منهم قسيسين ورهباناً وانهم لا يستكبرون''

ترجمہ: ''یہود و نصاریٰ کے اس تفاوت کی علت یہ ہے کہ یہود دنیا کے سخت ترین حرص کے ساتھ خاص ہیں۔ اس پر دلیل اللہ کریم کا ارشاد ہے ''آپ ان کو پائیں گے لوگوں میں سے زیادہ حریص دنیا کی زندگی پر اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا'' حرص میں یہود کو مشرکین کے ساتھ ملایا ہے جو معاد کے منکر ہیں حرص اخلاق ذمیمہ کی معدن ہے اس لیے جس کو دنیا کی حرص ہوتی ہے وہ طلب دنیا میں دین کو بھی چھوڑ دیتا ہے اور طلب دنیا کے لیے وہ ہر محظور و منکر پر اقدام کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ اتنی زیادہ حرص کا لازمی نتیجہ ہے کہ جس کسی کو کچھ مال اور مرتبہ حاصل ہوتا ہو یہود کو اس کے ساتھ عداوت ہو جاتی ہے اور نصاریٰ تو اکثر دنیا سے اعراض کرنے والے عبادۃ کی طرف توجہ کرنے والے طلب ریاست کے تارک تکبر اور بڑھائی کے بھی تارک ہوتے ہیں جو شخص بھی اس جیسی صفات کا حامل ہوگا وہ نہ تو لوگوں کے ساتھ حسد کرتا ہے اور نہ ایذا دیتا ہے نہ جھگڑا کرتا ہے بلکہ حق کے معاملہ میں وہ نرم گوشہ رکھنے والا اور آسانی کے ساتھ حق کو تسلیم کرنے والا ہوتا ہے۔ اس باب میں یہ فرق ہے فریقین میں اور اللہ کریم کے ارشاد ''یہ اس وجہ سے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ تکبر بھی نہیں کرتے'' سے یہی مراد ہے۔''

"وهھنا دقيقة نافعة" فی طلب الدين وهو ان كفر النصاریٰ أغلظ من كفر اليهود لأن النصاریٰ يتنازعون فی الالهيات وفی النبوات واليهود لا يتنازعون الا فی النبوات ولا شک فی ان الاول اغلظ ثم ان النصاریٰ مع غلظ كفرهم لما لم يشتد حرصهم علیٰ طلب الدنيا بل كان فی قلبهم شیٔ من الميل الی الآخرة شرفهم الله بقوله "ولتجدن اقربهم مودة للذين آمنوا الذين قالوا انا نصاریٰ" واما

الیھود مع ان کفرھم اخف فی جنب کفر النصاریٰ طردھم وخصھم اللہ بمزید اللعن وما ذالک الابسبب حرصھم علی الدنیا و ذالک ینبھک علی صحة قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "حب الدنیا رأس کل خطیئة. (تفسیر کبیر ج ۱۲ ص ٦٧)

ترجمہ: ''یہاں پر ایک دقیق اور نافع بات ہے طلب دین سے متعلق وہ یہ کہ نصاریٰ کا کفر یہود کے کفر کی بنسبت سخت ہے کیونکہ نصاریٰ الہیات اور نبوات دونوں میں تنازع کرتے ہیں اور یہود صرف نبوات میں تنازع کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے والا تنازعہ زیادہ سخت ہے پھر نصاریٰ کا کفر سخت ہونے کے باوجود جب ان میں طلب دنیا کی حرص نہیں بلکہ وہ آخرت کی طرف بھی کچھ میلان رکھتے ہیں تو اللہ کریم نے ان کو اپنے اس کلام کے اعزاز سے نوازا'' کہ آپ مودة اور محبت میں مسلمانوں کے قریب ان کو پائیں گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں'' کہ یہود جن کا کفر نصاریٰ کے کفر کے مقابلہ میں ہلکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دھتکارا اور ان کو مزید لعنت کا مستحق قرار دیا۔ اس مزید لعنت کے استحقاق کا سبب سوائے حرص کے اور کچھ نہیں اور یہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی صداقت پر متنبہ کرتا ہے کہ ''دنیا کی محبت ہر غلطی اور جرم کا اصل ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ "لتجدن اشد الناس عداوة للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا" وماذا الا لأن کفر الیھود کفر جحود ومباھتة للحق وغمط الناس وتنقص لحملة العلم ولھذا قتلوا کثیراً من الانبیاء حتی ھموا بقتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مرة وسموہ

وسحروه وألبوا عليه اشباههم من المشركين عليهم لعائن الله المتتابعة الى يوم القيامة (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۷)

ترجمہ: ''اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''تم پاؤ گے سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہود کو اور مشرکین کو'' یہ عداوت اس وجہ سے ہے کہ یہود کا کفر انکار والا کفر ہے اور حق کے مقابلہ میں فخر کرنے والا کفر ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے اور حاملین علم کے تنقیص والا کفر ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کثرت کے ساتھ انبیاء کو قتل کیا یہاں تک کہ کئی دفعہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ بھی کیا۔ زہر بھی دیا اور جادو بھی کیا اور ان کے صفات کے مشرکین بھی آپ کے مقابل ہو گئے۔ ان پر اللہ کی پے در پے لعنتیں تا قیامت ہوں۔''

قارئین اگر غور کریں تو آج بھی بھارت اور اسرائیل کے رشتے عام سفارتی و عسکری رشتوں سے زیادہ مضبوط اور گرم جوشی پر مبنی ہیں سو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ درحقیقت ان کے قرون اولیٰ کے فطری اتحاد کے تسلسل ہے۔ لہٰذا اگر یہ دونوں آج بھی اپنی چودہ سوسالہ قدیم روایت پر قائم ہیں۔ تو پھر مسلمانوں کو اپنا قدیم رویہ جو قرآنی رویہ ہے' ترک کرنے کا مشورہ کیوں دیا جا رہا ہے۔

یہود کی حق سے انکار کے معاملے میں دیدہ دلیری

حدثنا محمد بن سلام اخبرنا الغزاری عن حمید عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بلغ عبداللہ بن سلام مقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فأتاہ فقال انی سائلک عن ثلاثٍ لا یعلمھن الا نبیٌ ما اول الشراط الساعۃ وما اول طعام یأکلہ اھل الجنۃ. ومن ای شئ ینزع الولد الیٰ ابیہ ومن ای شئ ینزع الولد الیٰ اخوالہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اَخبرنی بھن آنفاً جبریل" فقال عبداللہ ذاک عدو الیھود من الملائکۃ' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اما اول الشراط الساعۃ فنارٌ تحشر الناس من المشرق الی المغرب' واما اول طعامٍ یأکلہ اھل الجنۃ فزیاد کبدحوت' واما الشبہ فی الولد. فان الرجل اذا غشی المرأۃ فسبقھا ماؤہ کان الشبہ لہ واذا سبق ماؤھا کان الشبہ لھا" قال أشھد أنک رسول اللہ. ثم قال یا رسول اللہ أن الیھود قوم بھت ان علموا بأسلامی قبل ان تسألھم بھتو نی عندک فجاء ت الیھود ودخل عبداللہ البیت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ای رجلٍ فیکم عبداللہ بن سلام" قالوا أعلمنا وابن اعلمنا' واخیرنا وابن اخیرنا' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أفرأیتم ان اسلم عبداللہ" قالوا أعاذہ اللہ من

ذالک فخرج عبدالله اليهم فقال. اشهد أن لا اله الا الله واشهد أن محمدا رسول الله فقالوا شرنا. وابن شرنا و وقعوا فيه. صحيح البخارى حديث رقم ۳۱۵۱ كتاب الانبياء و ۳۶۹۹ باب هجرة النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه الى المدينة و ۳۷۲۳ باب كيف آخى النبى صلى الله عليه وسلم بين اصحابه و ۴۲۱۰ باب قوله "من كان عدواً الجبرئيل"

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن سلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کا علم ہوا تو بارگاہ نبوۃ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ میں آپ سے تین ایسی باتیں دریافت کرتا ہوں جن کا علم نبی کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔''

(۱) قیامت کی سب سے پہلی نشانی کون سی ہے (۲) وہ کھانا کون سا ہے جس کو جنتی سب سے پہلے کھائیں گے (۳) اور کس وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ اور کس وجہ سے اپنے ماموں وغیرہ کے مشابہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ باتیں تو مجھے جبرائیل امین ابھی بتا کر گئے۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگے کہ سارے فرشتوں میں سے یہود کے یہی تو دشمن ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی سب سے پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب میں لے جائے گی اور اہل جنت کا سب سے پہلے کھانا مچھلی کی کلیجی کا نچلا حصہ ہوگا اور بچے کی مشابہت کا معاملہ یوں ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتا ہے تو آدمی کو اگر پہلے انزال ہو جائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کو پہلے انزل ہو جائے تو بچہ اس

سے مشابہت رکھتا ہوگا۔اس نے عرض کی میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول یہود بڑی بہتان تراش قوم ہے۔اگر انہیں میرے اسلام لانے کے متعلق پتہ چل گیا اس سے پہلے کہ آپ ان سے دریافت فرمائیں تو وہ مجھ پر الزام تراشی کریں گے۔پس یہود آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت عبداللہ بن سلام گھر میں چھپ گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ یہود کہنے لگے وہ ہمارے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر آدمی کے بیٹے ہیں۔پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم یہ دیکھو کہ عبداللہ مسلمان ہو گئے تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بچائے۔اس پر حضرت عبداللہ نکل کر ان کے پاس آ گئے اور کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔وہ کہنے لگے کہ ہم میں برا آدمی ہے اور برے آدمی کا بیٹا ہے پھر ان پر لعن طعن کرنے لگے۔"

یہود کو جزیرۃ العرب سے نکالنے کا حکم

حدثنا عبدالله بن يوسف حدثنا الليث قال حدثني سعيد المقبري عن ابيه عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال بينما نحن في المسجد خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انطلقوا الى يهود فخرجنا حتى جئنا بيت المدراس فقال اسلموا تسلموا واعلموا أن الارض لله ورسوله واني اريد ان اجليكم من هذه

الارض فمن يجد منكم بما له شياءً فليبعه و الا فاعلموا أن الارض لله ورسوله) بخاری حديث رقم ٢٩٩٦ باب اخراج اليهود من جزيرة العرب وحديث رقم ٦٥٤٥ باب: فی بيع المكره ونحوه فی الحق وغيره: وحديث رقم ٦٩١٦ باب: قوله تعالیٰ و كان الانسان اكثر شئ جدلا: مشكوٰة المصابيح حديث رقم ٤٠٥٠ باب اخراج اليهود من جزيرة العرب.

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور ہم سے فرمایا یہود کی طرف چلو پس ہم چل پڑے۔ یہاں تک کہ بیت مدراس پہنچ گئے۔ پس آپ نے یہودیوں سے فرمایا اسلام لے آؤ محفوظ ہو جائے گے ورنہ اچھی طرح جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور بے شک میں تمہیں اس جگہ سے نکال دینا چاہتا ہوں۔ پس جس کے پاس مال ہے وہ اسے فروخت کر دے ورنہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ بے شک زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔''

علامہ عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مطابقته للترجمة من حيث ان النبی صلی الله عليه وسلم. اراد أن يخرج اليهود لانه كان يكره ان يكون بارض العرب غير المسلمين لانه امتحن فی استقبال القبلة حتی نزل "قدنریٰ تقلب وجهک فی السماء" الآيه وامتحن مع بنی النضير حين أرادوا الغدربه وان يلقوا عليه حجراً فأمره الله باجلائهم واخراجهم. وترک سائر اليهود وكان يرجو ان يحقق الله رغبته فی ابعاد

الیھود عن جوارہ فلم یوح الیه فی ذالک شیٌ الیٰ ان حضرہ الوفاۃ فاوحی الیه فیه فقال لا یبقین دینان بارض العرب و اوصیٰ بذالک عند موته فلما کان فی خلافة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال من کان عنده عهد من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلیأت به والا فانی مجلیکم فاجلاھم (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۸۹)

ترجمہ: ''حدیث ترجمہ الباب کے مطابق ہے اس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہود کو نکالنے کا تھا کیونکہ آپ سرزمین عرب پر غیر مسلموں کا رہنا ناپسند فرماتے تھے۔ اس لیے کہ ایک تو آپ کی آزمائش استقبال قبلہ کے بارے میں ہوئی۔ اللہ کریم نے حکم نازل فرمایا ''بے شک ہم نے آپ کا بار بار اپنے چہرے کو آسمان کی طرف پھیرنے کو دیکھ لیا'' اور اسی طرح آپ بنونضیر کے بارے میں آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ جب انہوں نے آپ کے ساتھ غدر کیا اور آپ پر ایک بھاری پتھر پھینک دینا چاہا۔ پس اللہ کریم نے ان کو جلاوطن اور نکال دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ بنونضیر کے علاوہ دیگر یہودی قبائل کو اللہ کریم نے نکالنے کا حکم نہیں فرمایا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اللہ کریم تمام یہود کو جزیرۃ العرب سے نکالنے کی آپ کی خواہش کو پورا فرمادیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی وفات کے قریب وقت تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ سرزمین عرب پر دو دین نہیں پنپ سکتے۔ آپ نے وفات کے وقت اس کی وصیت فرمائی پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو یہود کو فرمایا کہ تم میں سے جس کسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معاہدہ ہو تو وہ اس کو

چلے آئے ورنہ تم کو جلا وطن کرنا چاہتا ہوں پھر حضرت عمرؓ نے ان کو جلا وطن کردیا۔"

علامہ کرمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ای تعلقت مشية الله بأن يورث ارضكم هذه للمسلمين ففارقوها وهذا كان بعد قتل بني قريظة واجلاء بني النضير (کرمانی ج۱۳ص۱۳۳)

ترجمہ: "اللہ کریم کی مشیت اب یہ ہے کہ تمہاری اس زمین کا وارث مسلمانوں کو بنائے اس لیے تم یہاں سے چلے جاؤ اور یہ زمین خالی کردو یہ حکم بنوقریظہ کے قتل اور بنونضیر کے جلاوطنی کے بعد ہوا تھا۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال القرطبي فيه ان على الامام اخراج كل من دان بغير دين الاسلام من كل بلد غلب عليها المسلمون عنوةً اذا لم يكن بالمسلمون ضرورة اليهم كعمل الارض ونحو ذالك وعلى ذالك أقر عمرؓ من أقربا لسواد والشام وزعم ان ذالك لا يختص بجزيرة العرب بل يلتحق بها ما كان على حكمها. (فتح الباری ج۶ص۲۰۸)

ترجمہ: "قرطبی نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ حکمران پر دین اسلام کے علاوہ دوسرے دین کے پیروکار کو ہر اس شہر سے نکالنا لازم ہے جس شہر پر مسلمانوں نے طاقت کے ذریعہ سے غلبہ حاصل کیا ہو۔ جب مسلمانوں کو زمین پر کام کرنے وغیرہ کے لیے ان کی ضرورت نہ ہو۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام اور عراق پر ایک وقت تک یہود وغیرہ کو برقرار رکھا تھا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ غیر مسلموں کا اخراج صرف جزیرۃ العرب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو جگہ بھی جزیرۃ العرب کے حکم میں ہو اس کو یہ حکم شامل ہوگا۔"

علامہ طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اوجب مالک والشافعی وغیرهما من العلماء اخراج الكفار من جزيرة العرب وقالوا لا يجوز تمكينهم سكناها ولكن الشافعي خص هذا الحكم بالحجاز وهو عنده مكة والمدينة واليمامه وأعمالها دون اليمن وغيره وقالوا لايمنع الكفار من التردد مسافرين في الحجاز ولا يمكنون من الاقامة فيه اكثر من ثلاثة ايام. قال الشافعي الامكة وحرمها فلا يجوز تمكين كافر من دخولها بحال. فان دخلها خفية وجب اخراجه فان مات و دفن فيها نبش وأخرج منها مالم يتغير وجوز ابو حنيفة دخولهم الحرم وجحة الجماهير قوله تعالٰى "انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعدعامهم هذا" (شرح الطیبی ج۸ص۸۱)

ترجمہ: ''امام مالک اور امام شافعی وغیرہ علماء نے جزیرۃ العرب سے کفار کو نکالنا واجب قرار دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کفار کو جزیرۃ العرب میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ مگر امام شافعی نے اس حکم کو صرف حجاز یعنی مکہ مکرمہ مدینۃ المنورہ اور یمامہ اور مضافات کے ساتھ خاص کیا ہے یمن وغیرہ کو یہ حکم شامل نہ ہوگا لیکن کفار مسافر کی حیثیت سے حجاز میں آسکتے ہیں اور ان کو تین دن سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ اور اس کے حدود حرم میں ان کو بحیثیت مسافر اور کسی بھی حال میں داخل ہونے نہ دیا جائے گا اور اگر چھپ کر خفیہ طریقہ سے داخل ہو گئے تو ان کا نکالنا واجب ہوگا اور اگر وہ مر گیا ہو اور دفن بھی کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر اکھاڑی جائے گی اور جب تک جسم متعفن نہ ہوا ہو اس کو نکالا

جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے حرم میں کافر کے داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کے مقابلہ میں جمہور کی دلیل اللہ کریم کا ارشاد گرامی ہے۔

"بے شک مشرک نجس اور پلید ہیں اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔"

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی المعالم ارادمنعهم من دخولِ الحرم لا نهم اذا دخلوا الحرم. فقد قربوا من المسجد الحرام. وقال وجوز اهل الكوفة للمعاهد دخول الحرم وفی المدارک فلا يقربوا المسجد الحرام فلا يحجوا ولا يعتمروا كما كانوا يفعلون فی الجاهلية بعد عامهم هذا وهو عام تسع من الهجرة. حيث أمر ابو بكر رضی الله عنه علی الموسم وهو مذهبنا (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۹۵)

ترجمہ: "معالم میں ہے کہ حرم میں ان کو داخل ہونے سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب وہ حرم کے حدود میں داخل ہو جائیں تو وہ مسجد حرام کے قریب ہو جائیں گے۔ اہل کوفہ نے معاہد کافر کے لیے حرم کے حدود میں داخل ہونے کو جائز سمجھا ہے۔ مدارک میں ہے کہ وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ حج اور عمرہ نہ کریں جیسا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ اس سال کے بعد یعنی ۹ ھ کے بعد جس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو موسم حج کا امیر بنایا گیا تھا اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

"انه عليه الصلاة والسلام هم باخراج يهود لأنه كان يكره أن يكون بارض العرب غير المسلمين الى ان حضرته الوفاة فأوصى

باجلائهم من جزيرة العرب فأجلاهم عمر رضى الله عنه

(ارشادالساری ج ۷ ص ۸۵)

ترجمہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو نکالنے کا ارادہ فرمالیا تھا۔اس لیے کہ آپ سرزمین عرب پر غیر مسلم کے وجود کو ناپسند فرماتے تھے۔آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے وصیت فرمائی انہیں جلاوطن کرنے کی۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا۔''

وعن ابن عمر رضى الله قال قام عمر خطيبا فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان عامل يهود خيبر على اموالهم. وقال نقر كم ما اقركم الله. وقد رأيت اجلاء هم فلما اجمع عمر على ذالك. اتاه احد بنى ابى الحقيق فقال يا امير المؤمنين اتخرجنا وقد اقرنا محمد وعاملنا على الاموال فقال عمر اظننت انى نيست قول رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف بك اذا اخرجت من خيبر تعدو بك قلوصك ليلة بعد ليلةٍ فقال هذه كانت هزيلةً من ابى القاسم. فقال كذبت يا عدو الله فاجلاهم عمر واعطاهم قيمة ما كان لهم من الثمر مالاً وابلاً وعروضاً من اقتاب وخبالٍ وغير ذالك (مشکوۃ المصابیح بخاری)۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے ان کے مال و جائیداد سے متعلق ایک معاملہ طے کیا تھا اور ان یہودیوں کو فرمایا تھا کہ ہم تمہیں اس وقت تک رہنے دیں گے جب تک

کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہنے دے گا۔ لہٰذا اب میں ان کو جلاوطن کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ پھر جب حضرت عمر نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے تو یہودیوں کے قبیلہ بنی ابی الحقیق کا ایک شخص جو اپنی قوم کا بڑا بوڑھا اور سردار تھا حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین کیا آپ ہمیں جلاوطن کر رہے ہیں حالانکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں خیبر میں رہنے دیا تھا اور ہمارے مال و اسباب سے متعلق ایک معاملہ ہمارے ساتھ طے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بھول گیا ہوں کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اور تو کیا کرے گا جب تجھ کو خیبر سے جلاوطن کر دیا جائے گا اور رات کے بعد رات میں تیری اونٹنی تیرے پیچھے دوڑ رہی ہوگی (گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو اس آنے والے وقت سے ڈرایا تھا جب تجھ کو راتوں رات خیبر سے نکل جانا پڑے گا) اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ یہ بات تو ابوالقاسم نے بطور مذاق کہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے خدا دشمن تم جھوٹ بکتے ہو۔ پھر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور ان کے پاس از قسم میوہ جو کچھ تھا جیسے کھجوریں وغیرہ ان کی قیمت میں ان کو مال، اونٹ اور اسباب جیسے رسیاں اور پالان وغیرہ دے دیے۔"

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقال ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اقرھم علی الجزیۃ "نقرکم ما اقرکم اللہ" ای مالم یأمرنا اللہ باخراجکم. وقال ابن الملک ای نترکم ماشاء اللہ باعطاءکم الجزیۃ ای مادمتم تعطونھا" (مرقاۃ المفاتیح ج۸ ص۹۵)

ترجمہ: ''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کی شرط پر ان کو ٹھہرنے کی اجازت دی تو فرمایا ہم تم کو اس وقت تک رہنے دیں گے جب تک اللہ تم کو رہنے دے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ ہم کو تمہیں نکالنے کا حکم نہیں دے دیتے۔ ابن الملک نے کہا ہے یعنی ہم تم کو چھوڑے رکھیں گے جب تک اللہ چاہیں گے اور تمہارا جزیہ دینے تک یعنی جب تک تم جزیہ دیتے رہو گے۔''

وعن ابن عباس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اوصٰی بثلاثةٍ. قال اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب. واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزهم قال ابن عباسؓ وسکت عن الثالثة او قال فأنسیتها. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات کے وقت) تین باتوں کی وصیت کی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دینا اور قاصدوں اور ایلچیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا (یعنی جب تک وہ تمہارے پاس رہیں ان کی دیکھ بھال کرنا اور ان کو ان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا) راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے تیسری بات سے سکوت اختیار کیا یا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیسری بات میں بھول گیا ہوں۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ وہ تیسری بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ ''لا تتخذوا قبری وثنا یعبد'' میری قبر کو بت کی طرح نہ قرار دینا جس کی پوجا کی جائے۔ اس ارشاد کو امام مالک نے مؤطا میں نقل کیا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

قال اخرجوا المشرکین' قال ابن الملک یریدبهم الیهود والنصاریٰ. (مرقاۃ المفاتیح ج۸ص۹۶)

ترجمہ: ''مشرکین کو نکال دو ابن الملک نے فرمایا کہ مشرکین سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔''

علامہ عینی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا:

فان قلت الترجمة اخراج الیهود والمشرک اعم من الیهود (قلت) انما ذکر الیهود فی الترجمة لان اکثرهم یوحدون الله تعالیٰ' فاذا کان هولاءِ مستحقین الاخراج فغیرهم من الکفار اولیٰ.

(عمدۃ القاری ج۱۵ص۹۰)

ترجمہ: ''اگر تم یہ کہو کہ ترجمۃ الباب میں تو اخراج یہود کا تذکرہ ہے اور مشرک تو یہود سے اعم ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ترجمۃ الباب میں تذکرہ تو یہود ہی کا کیا گیا ہے جبکہ ان میں اکثریت توحید کے قائل ہیں۔ تو جب یہ لوگ باوجود وحدانیت کے قائل ہونے کے جزیرۃ العرب سے اخراج کے مستحق ہیں تو دوسرے کفار بطریقہ اولیٰ اخراج کے مستحق ہیں۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں:

قال المهلب انما امربا اخراجهم خوف التدلیس منهم' وانهم متی رأوا عدواً قویاً صاروا معه کما فعلوا برسول الله صلی الله علیه وسلم یوم الاحزاب (عمدۃ القاری ج۱۵ص۹۰)

ترجمہ: ''مہلب نے کہا کہ فریب اور دھوکا کے خوف کی وجہ سے یہود کو نکالنے کا حکم دیا گیا کہ یہ جب بھی مسلمانوں کے مضبوط دشمن کو دیکھ لیں گے تو یہ اس دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے جیسا کہ جنگ احزاب کے

موقع پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔"

مزید رقم طراز ہیں:

وقال الطبری فیه من الفقه ان الشارع بین لأمته المؤمنین اخراج کل من دان بغیر دین الاسلام من کل بلدةٍ للمسلمین. سواءً کانت تلک البلدة من البلاد التی اسلم اهلها علیها. او من بلاد العنوة اذا لم یکن للمسلمین بهم ضرورة الیهم مثل کونهم عماراً لأراضیهم ونحو ذالک (فان قلت) کان هذا خاصاً بمدینة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم. وسائر جزیرة العرب دون سائر بلاد الاسلام اذ لو کان الکل فی الحکم سواً لکان صلی الله علیه وسلم بین ذالک (قلت) قد ذکرنا انه اذا کان للمسلمین ضرورة الیهم لا یتعرض الیهم. الایریٰ انه صلی الله علیه وسلم اقر یهود خیبر بعد قهر المسلمین ایاهم عمارا لأرضها للضرورة وکذالک فعل الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه فی یهود خیبر و نصاریٰ نجران و کذا لک فعل عمر رضی الله تعالیٰ عنه بنصاری الشام فانه اقرهم للضرورة الیهم عمارة الارضین اذا کان المسلمین مشغولین بالجهاد (عمدۃ القاری ج۱۵ص۹۰)

ترجمہ: "امام طبری نے کہا کہ اس میں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ شارع علیہ السلام نے اپنی مومن امت کے لیے یہ بات بیان کر دی کہ مسلمانوں کے تمام شہروں سے غیر مسلموں کو نکالا جائے۔ چاہے وہ شہر وہاں کے لوگوں کے اسلام لانے کی وجہ سے اسلامی مملکت کے زیر تسلط آئے ہوں یا وہ اسلامی ملک نے زبردستی قبضہ کیا ہو۔ جب مسلمانوں کو ان کی

ضرورت نہ ہو مثلاً کہ وہ زمینوں کے آباد کار وغیرہ نہ ہوں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ حکم تو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جزیرۃ العرب کا ہے نہ کہ تمام اسلامی ممالک اور اسلامی شہروں کا۔ اس لیے کہ اگر یہ حکم تمام اسلامی ممالک کا ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے تو میں کہتا ہوں کہ ہم نے یہ بات بیان کر دی کہ اگر مسلمانوں کو ان کی ضرورت ہو تو اس صورت میں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ کیا یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کو مسلمانوں کا خیبر پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد بھی برقرار رکھا بوجہ ضرورت کے اس لیے کہ وہ زمینوں کے آباد کار تھے۔ یہی کام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا یہود خیبر اور نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اور شام کے عیسائیوں کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ نے کیا۔ انہوں نے زمینوں کے آباد کار کی حیثیت سے ان کو برقرار رکھا۔ جب مسلمان جہاد کے عمل میں مشغول تھے۔''

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

ولما لم يتفرغ ابو بكر لا جلائهم اجلاهم عمر رضى الله عنه.

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۸۵)

ترجمہ: ''جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کو جلا وطن کرنے کا موقع نہیں ملا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کہ جلا وطن کیا۔''

وعن جابر بن عبدالله قال اخبرنى عمر بن الخطاب انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لأخرجن اليهود و النصارىٰ من جزيرة العرب حتى لا ادع فيها الا مسلماً (رواه مسلم) وفى رواية لئن عشت ان شاء الله لا خرجن اليهود و النصارىٰ من

جزیرۃ العرب (مشکوٰۃ المصابیح).

ترجمہ: ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے ضرور باہر نکال دوں گا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے علاوہ جزیرۃ العرب میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ اگر میری زندگی رہی تو میں ان شاء اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دوں گا۔''

وعن ابن عمرؓ ان عمر بن الخطاب اجلی الیھود و النصاریٰ من ارض الحجاز. وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ظھر علیٰ اھل خیبر اراد ان یخرج الیھود منھا. وکانت الارض لما ظھر علیھا. للہ ولرسولہ وللمسلمین فسأل الیھود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یترکھم علیٰ ان یکفوا العمل ولھم نصف التمر. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقرکم علیٰ ذالک ما شئنا. فاقروا حتی اجلاھم عمرؓ فی امارتہ الیٰ تیما واریحا. (مشکوٰۃ بخاری/مسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرزمین حجاز یعنی جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں انجام پایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل خیبر پر غلبہ حاصل ہوا تھا تو آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا۔ کیونکہ جس زمین پر دین حق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو جاتی ہے کہ وہاں صرف اللہ ہی کا دین غالب اور مسلمانوں کو ہی حق تصرف و حکمرانی

حاصل ہوتا ہے) لیکن یہودیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ ان (یہودیوں کو اس شرط پر (خیبر کی زمینوں پر قابض و متصرف) رہنے دیں گے کہ وہ محنت کریں یعنی باغات کی دیکھ بھال اور ان کی سیرابی وغیرہ کا کام کریں گے) اور ان کو پیداوار کا آدھا حصہ ملے گا اور پھلوں کا آدھا حصہ آپ کا ہوگا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی لیکن یہ فرمایا کہ ہم تم کو اس شرط پر خیبر میں رہنے دیں گے جب تک ہم چاہیں گے۔ اس کے بعد ان کو خیبر میں رہنے دیا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی خلافت کے زمانہ میں تیما اور اریحا کی طرف جلاوطن کر دیا۔''

(بخاری و مسلم)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

وانما فعل عمر رضی الله عنه لقوله صلی الله علیه وسلم لا یبقین دینان بجزیرة العرب والصدیق اشتغل عنه بقتال اهل الردة او لم یبلغه الخبر والله اعلم (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۷۵)

ترجمہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کی جلاوطنی کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ جزیرۃ العرب میں دو دین باقی نہیں رکھے جاسکتے کی بنیاد پر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ مرتدین کے ساتھ قتال کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ دے سکے یا یہ کہ ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔'' واللہ اعلم

حدیث میں صراحت کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو خارج کرنے کا ذکر ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جزیرۃ العرب۔ مرکز اسلام ہے۔ اسلام ایک آفاقی اور بین الاقوامی دین ہے۔ مرکز غیروں سے پاک کرنا ضروری ہے تاکہ اس قسم کی سازشوں سے بچا جاسکے۔ جو مشرکوں، یہود و نصاریٰ اور منافقین نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو توموقع نہ مل سکا لیکن یہ کام ان کے خلیفہ راشد کے ہاتھوں انجام پایا۔

عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تکون قبلتان فی بلدٍ واحد (ابوداؤد کتاب الخراج)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شہر میں دو قبلے نہیں ہو سکتے۔''

مولانا منظور احمد صاحب لکھتے ہیں کہ یہ نفی بمعنی نہی ہے۔ یعنی مسلمان یا تو جہاں پر رہیں اس جگہ کو دارالاسلام بنائیں اور اس میں اسلام ہی کے احکام جاری کریں ورنہ کم از کم دارالکفر میں تو اقامت اختیار نہ کریں۔ علاوہ ازیں اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی تو اجازت ہے مگر کفر کے شعار کے اعلان و اظہار کی اجازت نہیں۔ ورنہ فتنہ پڑے گا۔ دارالاسلام کے حکام کو اس طرف توجہ کرنا لازم ہے۔ (فضل المعبود)

عن ابن عمر رضی الله عنه ان یهود بنی النضیر و قریظة حاربوا رسول الله صلی الله علیه وسلم فأجلیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم بنی النضیر واقر قریظة ومن علیهم. حتی حاربت قریظة بعد ذالک. فقتل رجالهم وقسم نساء هم. واولادهم بین المسلمین أن بعضهم لحقوا برسول الله صلی الله علیه وسلم. فامنهم واسلموا. واجلیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم یهود المدینة کلهم بنی قینقاع وهم قوم عبدالله بن سلام. ویهود بنی حارثة وکل یهودی کان بالمدینة (مسلم باب اجلاء الیہود من الحجاز).

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنونضیر اور بنوقریظہ کے یہودیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی تو آپؐ نے بنونضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنوقریظہ پر احسان فرماتے ہوئے رہنے دیا۔ پھر اس کے بعد قریظہ نے جنگ کی تو انکے مرد قتل کیے گئے اور ان کے بچے اور عورتیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ جبکہ

ان میں سے بعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپؐ نے ان کو امان دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام یہود مدینہ کو جلا وطن کیا۔ بنو قینقاع یہ حضرت عبداللہ بن سلام کی قوم تھی اور بنو حارثہ کے یہودی اور ہر اس یہودی کو جو مدینہ میں تھا نکال دیا۔"

(رجل من الصحابه) ان كفار قريش كتبوا الى ابن ابى ومن عنده من عبدة الاوثان بالمدينة من الاوس والخزرج والنبى صلى الله عليه وسلم يومئذٍ بالمدينة قبل وقعة بدر يقولون انكم آويتم صاحبنا. وانا نقسم باللات والعزى لتقتلنه او لتخرجنه. او لنسيرن اليكم بأجمعنا حتى نقتل مقاتليكم. ونستبيح ذراريكم. فلما بلغ ذالک ابن ابى ومن معه اجمعوا علیٰ قتال من أسلم منهم. وقتال النبى صلى الله عليه وسلم ومن معه وأجمع المسلمون لقتالهم فجاءهم صلى الله عليه وسلم فقال لقد بلغ وعيد قريش منكم المبالغ. ما كانت قريش تكيد كم بأكثر مما تريدون ان تكيدوا به أنفسكم تريدون ان تقاتلوا أبناء كم واخوانكم. فلما سمعوا ذالک تفرقوا. فبلغ ذالک قريشاً ثم كانت وقعة بدر فكتبت قريش ألى اليهود. انكم اهل الحلقة والحصون فلتقاتلن صاحبنا او ليكونن بيننا وبينكم امرٌ فلما بلغ كتابهم اليهم اجتمعت النضير على الغدر. فأرسلوا الى النبى صلى الله عليه وسلم ان اخرج الينا فى ثلاثين من اصحابک ويخرج منا ثلاثون حبراً فنلتقى بمكان منصف. فيسمعون منک فان صدقوک وآمنوا بک آمنا اجمعون فأعلمه جبريل عليه السلام بكيدهم فغدا عليهم بالكتائب

فحصرهم فقال انكم والله لا تأمنون عندى الا بعهدٍ تعاهدوننى عليه. فأبوا ان يعطوه عهداً فقاتلهم يومهم ذالك. ثم غداً من الغد على بنى قريظة بالكتائب ودعاهم الىٰ ان يعاهدوه. فعاهدزه فانصرف عنهم وغدا على بنى النضير بالكتائب ودعاهم الىٰ ان يعاهدوه فعاهدوه فانصرف عنهم وغدا على بنى النصير بالكتائب فقاتلهم حتى نالوا على الجلاء فجلت بنو النضير واحتملوا ما اقلت الابل من امتعتهم. وابواب بيوتهم وخشبها. فكان نخل بنى النضير للنبى صلى الله عليه وسلم خاصة حصه الله بها. فقال وما أفاء الله علىٰ رسوله منهم فما او جفتم عليه من خيل ولا ركاب. يقول بغير قتال. ماعطى صلى الله عليه وسلم منها للمهاجرين وقسمها بينهم وقسم منها لرجلين من الانصار كانا ذوى حاجةولم يقسم لأحدىٍ من الانصار غيرهما وبقى منها صدقتها صلى الله عليه وسلم التى فى ايدى بنى فاطمة.

(لأبی داؤد جمع الفوائد ج۳ص۱۰۲ محمد بن محمد بن سلیمان)

ترجمہ:''صحابہ میں سے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ کفار قریش نے ابن ابی کو اور وہاں پر جو دوسرے بت پرست اس کے پاس مدینہ میں تھے اوس اور خزرج میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ طیبہ میں تھے۔ (واقعہ بدر سے پہلے کا یہ تذکرہ ہے)'' کفار نے لکھا کہ تم نے ہمارے صاحب (مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) کو ٹھکانا دیا ہے۔ ہم لات اور عزیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ تم ان کو قتل کر دو یا ان کو نکال دو۔ ورنہ ہم تمام تمہاری طرف نکل آئیں گے اور تمہارے لڑنے والوں کو قتل

کردیں گے اور تمہارے بچوں کو غلام بنالیں گے۔ جب یہ پیغام ابن ابی اوران کے ساتھیوں کو پہنچا تو ان میں سے جو مسلمان ہو گئے تھے ان کے ساتھ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے تھے وہ جمع ہو گئے اور مسلمان بھی ان کے ساتھ لڑنے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ قریش کی دھمکی نے جہاں تک تم کو پہنچانا تھا پہنچا دیا۔ قریش تم کو اس قدر زیادہ فریب نہیں دینا چاہتے تھے جتنا فریب تم نے اپنے آپ کو دینے کا ارادہ کرلیا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ اپنے ہی بچوں اور بھائیوں کو قتل کرڈالو۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو منتشر ہو کر چلے گئے۔ یہ خبر قریش کو پہنچ گئی اس کے بعد جنگ بدر کا واقعہ رونما ہوا تو قریش نے یہودیوں کو لکھا کہ تمہاری جماعت بھی ہے اور تمہارے پاس قلعے بھی ہیں۔ تم ہمارے لوگوں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے ساتھیوں) کے ساتھ لڑو۔ ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاملہ ہو جائے گا۔ جب کفار قریش کا خط ان کو پہنچا تو بنو نضیر عہد شکنی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے ساتھ تیس اپنے ساتھی لے کر ہماری طرف آجائیں اور ہم اپنے تیس علماء لے کر آتے ہیں۔ ہم ایک درمیانی جگہ میں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہمارے علماء آپ کو سنیں گے اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ جبریل امین علیہ السلام نے آپ کو ان کے دجل وفریب کی اطلاع کر دی۔ آپ ان کی طرف ایک دستہ لے کر تشریف لے گئے اور ان کا محاصرہ کرلیا اور فرمایا کہ اب تم بغیر کسی معاہدہ کیے مجھ سے امن حاصل

نہیں کر سکتے۔ انہوں نے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس دن آپ نے ان کے ساتھ جنگ کی اور اگلے دن ایک دستہ لے کر بنو قریظہ کی طرف گئے اور ان کو معاہدہ کی دعوت دی۔ انہوں نے معاہدہ کر لیا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔ آپ پھر بنو نضیر کی طرف آ گئے اور ان کے ساتھ قتال کیا یہاں تک کہ جلاوطن ہونے کی شرط پر وہ قلعوں سے نیچے اترے تو بنو نضیر جلاوطن کر دیے گئے۔ ان کے اونٹ جو سامان گھروں کے دروازے اور لکڑیاں اٹھا سکتے تھے لاد کر لے گئے۔ بنو نضیر کے کھجوروں کے باغات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کے مختص کرنے کی وجہ سے خاص ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے۔ سو تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ" یعنی بغیر قتال کے۔ یہ باغات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو دے دیے اور ان میں تقسیم کر دیے۔ انصار میں سے کسی کو بھی ان میں سے کچھ نہیں دیا سوائے دو ضرورت مند انصاریوں کے اور باقی جو بچا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے صدقہ ہوا جو بنو فاطمہ کے قبضہ میں ہے۔" (ابوداؤد)

(بنت محیصہ) عن ابیها لما اعلم الله رسول الله صلی الله علیه وسلم بماهمت به الیهود من الغدر قال صلی الله علیه وسلم من ظفر تم به من رجال یهود فاقتلوه. فوثب محیصة علی شبیه رجل من تجار الیهود. وکان یلا بسهم فقتله. وکان عمی حویصة اذ ذاک لم یسلم. وکان اسن من ابی فجعل حویصة یضر به. ویقول ای عدو الله اما والله لرب شحم فی بطنک من ماله. فقال له ابی قتلته لأنه امرنی بذالک من لو أمرنی بقتلک ما ترکتک فأسلم عمی

عند ذالک، جمع الفوائد، للعلامة محمد بن سلیمان. (ج۳ص۱۰۳)

ترجمہ: ''حضرت محیصہ کی صاحبزادی اپنے والد سے نقل کرتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے یہودیوں کے دھوکا اور فریب کی اطلاع دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی کسی یہودی پر قابو پا سکتا ہو تو وہ اس کو قتل کر دے تو میرے والد نے شیبہ جو یہودی تاجر تھا پر حملہ کیا میرے والد ان کے ساتھ میل جول رکھتے تھے اور اس کو قتل کر دیا۔ میرے تایا حویصہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور یہ عمر میں میرے والد سے بڑے تھے۔ میرے تایا حویصہ میرے والد کو مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے اللہ کے دشمن تو نے اس کو قتل کر دیا۔ تیرے تو پیٹ کی چربی بھی اس کے مال سے ہے میرے والد نے ان کو کہا کہ ہاں میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے قتل کا مجھ کو اس شخصیت نے حکم دیا کہ اگر وہ مجھ کو تیرے قتل کا حکم کر دیں تو میں تجھ کو بھی قتل کر دوں گا۔ اس وقت پھر میرے تایا بھی مسلمان ہو گئے۔''

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تبدؤا الیہود و النصاریٰ بالسلام. (تلخیص الحبیر ج۴ص۱۲۶)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔''

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالساً فی المسجد ...

وأكلوا اثمانها وان الله عزوجل اذا حرم على قوم اكل شئ حرم عليهم ثمنه (مسند احمد حدیث رقم ۲۲۲۲)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں حجر اسود کی طرف رخ مبارک کر کے تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ کی پھر ہنس کر فرمانے لگے۔ اللہ کی لعنت ہو یہودیوں پر ان پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کو استعمال میں لانا شروع کیا اور اللہ کریم جب کسی قوم پر کوئی چیز حرام کر دیتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتے ہیں۔''

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم لو أمن بی عشرة من اليهود لآمن بی اليهود (بخاری حدیث رقم ۳۷۲۵)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود کے دس احبار و علماء اگر مجھ پر ایمان لے آئیں تو تمام یہودی مسلمان ہو جائیں۔''

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال لما فتحت خيبر أهديت للنبی صلی الله علیه وسلم شاةٌ فيها سمٌ فقال النبی صلی الله علیه وسلم. اجمعوا لی من كان هاهنا من يهود فجمعوا له فقال انی سائلكم عن شیءٍ فهل أنتم صادقی عنه فقالوا نعم. قال لهم النبی صلی الله علیه وسلم من ابو كم قالوا فلان. فقال: كذبتم بل ابو كم فلان قالوا صدقت. قال فهل انتم صادقی عن شیءٍ ان سألت عنه. فقالوا نعم يا ابا لقاسم. وان كذبنا عرفت كذبنا كما عرفته فی ابينا. فقال لهم من اهل النار؟ قالوا نكون فيها يسيراً ثم تخلفونا فيه.

فقال النبی صلی الله علیه وسلم اخسئووا فیها و الله لا نخلفکم فیها ابداً ثم قال هل انتم صادقی عن شیءٍ ان سألتکم عنه فقالوا نعم یا ابا القاسم قال هل جعلتم فی هذه الشاة سماً قالوا نعم قال: ما حملکم علیٰ ذالک قالوا: اردنا ان کنت کاذباً نستریح وان کنت نبیاً لم یضرک (بخاری حدیث رقم ۲۹۹۸)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فتح خیبر ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں بکری کا ایسا گوشت پیش کیا گیا جس میں زہر تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو یہودی یہاں پر موجود ہیں انہیں میرے پاس جمع کردو۔ چنانچہ سب آ گئے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو میں تم سے ایک بات پوچھوں گا کیا تم لوگ صحیح صحیح بتاؤ گے۔ سب نے کہا جی ہاں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے والد کون تھے۔ انہوں نے کہا فلاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو تمہارے والد تو فلاں تھے۔ سب نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے پوچھا میں تم سے ایک بات پوچھوں گا کیا تم سچ سچ بتاؤ گے۔ سب نے کہا جی ہاں یا ابا القاسم اور اگر ہم نے جھوٹ بھی بول لیا تو آپؐ ہمارے جھوٹ کو اس طرح پکڑ لیں گے جس طرح ہمارے والد کے بارے میں آپؐ نے ہمارا جھوٹ پکڑ لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد دریافت فرمایا کہ دوزخ میں جانے والے لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ہم کچھ دنوں کے لیے جائیں گے۔ پھر آپ لوگ ہماری جگہ داخل کر دیے جاؤ گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں برباد رہو۔ خدا گواہ ہے کہ ہم تمہاری جگہ اس میں کبھی نہیں جائیں گے۔ پھر آپؐ

نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا تم صحیح واقعہ مجھ کو بتا دو گے۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اس بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے آرام مل جائے گا اور اگر آپؐ واقعی نبی ہیں تو زہر آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان عبدالله بن سلام بلغه مقدم النبی صلی الله علیه وسلم المدینة فأتاه یسأله عن اشیاء فقال انی سائلک عن ثلاثٍ لا یعلمهن الا نبیٌ ما اول اشراط الساعةوما اول طعام یاکله اهل الجنة. وما بال الولد ینزع الیٰ ابیه أو اولیٰ امه؟ قال اخبرنی به جبریل آنفاً قال ابن سلامٍ ذاک عدو الیهود من الملائکة قال اما اول اشراط الساعة فنارٌ تحشرهم من المشرق الی المغرب واما اول طعامٍ یاکله اهل الجننه فزیادة کبد الحوت واما الولد. فاذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد. واذا سبق ماء المرأة ماء الرجل نزعت الولد قال اشهد ان لا اله الا الله وانک رسول الله قال یا رسول الله ان الیهود قومٌ بهت فأسألهم عنی قبل ان یعلموا باسلامی. فجاء ت الیهود فقال النبی صلی الله علیه وسلم ای رجلٍ عبدالله بن سلام فیکم قالوا: خیرنا وابن خیرنا وأفضلنا وأبن أفضلنا فقال النبی صلی الله علیه وسلم أرئیتم ان اسلم عبدالله بن سلام قالوا: اعاذه الله من ذالک فأعاد علیهم

فقالوا مثل ذالک فخرج اليهم عبدالله فقال: أشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله قالوا شرنا وابن شرنا وتنقصوه قال هذا كنت أخاف يا رسول الله. (بخاری حدیث رقم ۳۷۲۳)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند امور کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آئے۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ جنہیں نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہوگی۔ اہل جنت کی ضیافت سب سے پہلے کس کھانے سے کی جائے گی اور یہ کیا بات ہے کہ کبھی بچہ باپ پر جاتا ہے اور کبھی ماں پر؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جواب ابھی جبرائیل نے مجھے بتایا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ملائکہ میں یہودیوں کے دشمن ہیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہے جو انسانوں کو مشرق سے مغرب تک لے جائے گی۔ جس کھانے سے سب سے پہلے اہل جنت کی ضیافت ہوگی وہ مچھلی کے کلیجے کا وہ ٹکڑا ہوگا جو کلیجی کے ساتھ لگا رہتا ہے اور بچہ باپ کی صورت پر اس وقت جاتا ہے جب عورت کے پانی پر مرد کا پانی غالب آ جائے اور جب مرد کے پانی پر عورت کا پانی غالب آ جاتا ہے تو بچہ ماں پر جاتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی بڑے افترا پرداز ہیں۔ اس لیے آپ اس سے پہلے کہ میرے اسلام کے بارے میں انہیں کچھ معلوم ہو ان سے میرے متعلق دریافت کر لیں۔ چنانچہ چند

یہودی آئے تو آنحضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری قوم میں عبداللہ بن سلام کون صاحب ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے۔ ہم میں سب سے افضل اور سب سے افضل کے بیٹے۔ آنحضورؐ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر وہ اسلام لے آئیں۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں اپنی پناہ میں رکھے۔ آنحضورؐ نے دوبارہ ان سے یہی سوال کیا اور انہوں نے یہی جواب دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ باہر آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اب وہ کہنے لگے یہ تو ہم میں سب سے بدترین فرد ہے اور سب سے بدترین کا بیٹا ہے۔ فوراً تنقیص شروع کر دی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! اسی کا مجھے ڈر تھا۔''

عن عائشه رضي الله عنها. قالت دخلت رهطٌ من اليهود على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال السام عليك ففهمتها فقلت عليكم السام واللعنة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مهلاً يا عائشة فان الله يحب الرفق في الامر كله. فقلت يا رسول الله اولم تسمع ما قالوا؟ قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد قلت وعليكم (بخاری)

ترجمہ: ''ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا ''السام علیکم'' یعنی تم پر موت ہو۔ پس میں ان کی بات کو سمجھ گئی اور میں نے جواباً کہا تمہارے اوپر موت اور لعنت ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! جانے دو اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو

پسند فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ نے ان کی گفتگو نہیں سنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی وجہ سے میں نے وعلیکم۔ یعنی تم پر ہو کہہ دیا تھا۔"

وعن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اذا سلم علیکم الیهود فانما یقول احدهم السام علیک فقل وعلیک (بخاری)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب یہود تم کو سلام کریں تو وہ کہتے ہیں "السام علیکم" یعنی تم پر موت ہو تو تم بھی جواب میں کہو "وعلیکم" یعنی تم پر ہو۔"

ابو محمد عبدالملک بن ہشام نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ سیرت ابن ہشام میں اس طرح نقل کیا ہے۔

قال ابن اسحاق وکان من حدیث عبداللہ بن سلام کما حدثنی بعض اهله عنه وعن اسلامه حین اسلم. وکان حبراً عالماً قال لما سمعت برسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عرفت اسمه وزمانه الذی کنا نتوکف له فکنت مرعاً لذالک صامتاً علیه حتی قدم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم المدینة فلما نزل بقباء فی بنی عمرو بن عوف. اقبل رجلٌ حتی اخبر بقدومه وأنا فی رأس نخلةٍ لی اعمل فیها وعمتی خالدة بنت الحرث. تحتی جالسة فلما سمعت الخبر بقدوم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کبرت فقالت لی عمتی حین سمعت تکبری خیبک اللہ واللہ لو کنت سمعت بقدوم

موسیٰ بن عمران قادماً مازدت قال فقلت لها ای عمة هو والله اخو موسیٰ بن عمران وعلیٰ دینه بعث بما بعث به قال فقالت یا ابن اخی أهو النبی الذی کنا نخبر انه یبعث مع نفس الساعة قال فقلت لها نعم قالت فذالک اذاً قال ثم خرجت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فأسلمت ثم رجعت الی اهل بیتی فامرتهم فأسلموا قال وکتمت اسلامی من یهود ثم جئت رسول الله صلی الله علیه وسلم. فقلت یا رسول الله ان یهود قوم بهتٌ وانی احبٌ ان تدخلنی فی بعض بیوتک وتغیبنی عنهم. ثم تسألهم عنی حتی یخبروک کیف انا فیهم. قبل ان یعلموا اسلامی فانهم ان علموا به بهتونی وعابونی قال فادخلنی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بعض بیوته. ودخلوا علیه فکلموه وسألوه ای رجل ابن سلام فیکم. قالوا سیدنا وابن سیدنا وخیرنا وعالمنا قال فلما فرغوا من قولهم خرجت علیهم فقلت یا معشر یهود اتقوا الله واقبلوا ما جاء کم به فو الله انکم لتعلمون انه لرسول الله تجدونه مکتوباً عندکم فی التوراة باسمه وصفته فأنی اشهد انه رسول الله وأومن به واصدقة' واعرفه' نقالوا کذبت' ثم وقعوا بی' فقلت لرسول الله صلی الله علیه وسلم الم اخبرک یا رسول الله صلی الله علیه وسلم انهم قوم بهت اهل غدرٍ قال واظهرت اسلامی و اسلام اهل بیتی وأسلمت عمتی خالده بنت الحارث فحسن اسلامها.

(سیرۃ ابن ہشام ج۲ص۲۶)

ترجمہ:''امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام

رضی اللہ کا واقعہ جس طرح ان کے اہل وعیال کے بعض افراد نے ان کے اسلام کے بارے میں جب وہ اسلام لائے تھے بیان کیا۔ اس طرح ہے وہ بہت بڑے عالم تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنا میں ان کا اسم گرامی بھی جانتا تھا اور آپ کے تشریف آوری کے زمانہ سے بھی واقف تھا اور ہم اسی زمانہ کے انتظار میں تھے۔ مجھے اس وقت کے آمد کی شدت سے انتظار تھا۔ میں خاموشی سے منتظر رہا۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور بنی عمرو بن عوف میں آپ اترے وہاں سکونت اختیار فرمائی۔ وہاں سے ایک شخص آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دی۔ میں اس وقت کھجور کی درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میری پھوپھی خالدہ بنت الحرث نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سنی تو خوشی سے میں نے تکبیر (اللہ اکبر) کی صدا بلند کی۔ میری پھوپھی نے جب تکبیر سنی تو کہا اللہ تجھے رسوا کر دے اگر تو موسیٰ بن عمران کے بارے سنتا تو اللہ کی قسم تو کبھی اس سے زیادہ خوشی کا اظہار نہ کرتا۔ فرمایا کہ میں نے کہا پھوپھی! یہ بھی حضرت موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے۔ اللہ نے ان کو بھی انہی احکامات کے ساتھ مبعوث فرمایا جو احکامات ان کو دے کر مبعوث فرمایا تھا۔ اس نے کہا اے میرے بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہم گفتگو کیا کرتے تھے کہ ان کو قرب قیامت پر مبعوث کیا جائے گا۔ فرمایا کہ میں نے کہا ہاں کہا کہ پھر یہ وہی ہوں گے فرمایا کہ پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مسلمان ہوا اور پھر اپنے گھر واپس آیا۔ اپنے گھر والوں کو اسلام کا کہا وہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔ فرمایا کہ میں نے اپنے اسلام کو

یہود سے چھپائے رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا کہ یہود ایک انتہائی فتنہ پرداز قوم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو اپنے کسی گھر میں چھپا کر بٹھا دیں اور پھر ان سے میرے بارے میں پوچھ لیں تاکہ وہ آپ کو بتا دیں کہ میرے کیا حیثیت کیا ہے ان میں۔ میرے اسلام کا ان کو علم ہونے سے پہلے۔ اس لیے کہ اگر میرے اسلام کا ان کو علم ہو گیا تو وہ پہلے سے ہی مجھ پر افترا پردازیاں کرنے لگ جائیں گے اور عیب چینی کریں گے۔ فرمایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک گھر میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے تو انہوں نے کہا وہ ہمارا سردار ہے سردار کا بیٹا ہے۔ ہمارے محقق اور عالم ہیں۔ فرمایا کہ جب وہ اپنی ان باتوں سے فارغ ہو گئے میں نے باہر نکل کر کہا اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور یہ جو کچھ لے کر تمہارے پاس آئے ہیں اس کو قبول کر لو۔ اللہ کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ان کا نام اور ان کے اوصاف تم توراۃ میں موجود لکھے ہوئے پاتے ہو۔ میں تو یہ گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں میں ان پر ایمان بھی لاتا ہوں، میں ان کو پہچانتا ہوں اور ان کی تصدیق بھی کرتا ہوں۔ یہودی کہنے لگے تم جھوٹ کہتے ہو اور پھر میری تنقیص کرنے لگے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کی کہ حضرت میں آپ کو عرض نہیں کیا تھا کہ یہودی افتراء پرداز اور دھوکہ باز قوم ہے۔ فرمایا میں نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اسلام کا اظہار کیا۔ میری پھوپھی خالدہ بنت الحارث بھی مسلمان ہو گئیں اور بہت اچھی مسلمان رہیں۔''

خلاصہ کلام

یہودیوں کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱- یہود وہ ملت ہے جو یہودیت کے پیروکار اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہے۔

۲- یہودیت' یہودیوں کی تحریف سے پہلے اللہ کی طرف سے منزل دین تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ ان کی کتاب توراۃ تھی۔ اب یہ باطل دین ہے اس لیے کہ ایک تو یہودیوں نے اس میں تحریف کی ہے اور دوسرا یہ کہ اسلام کی وجہ سے یہ دین منسوخ ہو گیا۔

۳- یہودیوں کو یہود نام سے موسوم اس وجہ سے کیا گیا کہ یہ اس کے متبعین ہیں اور یہود کی نسبت یہوذا ابن یعقوب علیہ السلام سے ہے جن کی طرف بنی اسرائیل اپنی نسبت کرتے ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بنی اسرائیل کے نام سے معروف تھے۔ بعد میں ان پر یہود کے نام کا اطلاق ہونے لگا۔

قرآن پاک نے کہیں تو انہیں بنی اسرائیل کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اسرائیل حضرت یعقوب بنی اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا لقب ہے اور بنی اسرائیل ان کی اولاد ہے اور کہیں ان کو ''ہادوا'' اور ''الیہود'' کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آخری زمانہ میں انہوں نے

یہودی نام اختیار کر لیا تھا۔ اسی طرح احادیث مطہرہ میں بھی ان کو بنی اسرائیل اور یہود کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

پس یہ اپنے قدیم نام' نسب اور حضرت موسیٰ کے زمانہ کی قدیم اور بعد کے کچھ زمانہ کی تاریخ کی وجہ سے بنی اسرائیل ہیں اور آخری نام بالخصوص سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعثت کے بعد کے نام سے یہ یہودی ہیں۔ اس نام کی وجہ سے یہ حضرت موسیٰ کے متبعین (نصاریٰ) سے بھی متمیز ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے جہاں ان دونوں کا یکجا ذکر ہوتا ہے تو ان کو اہل کتاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس سے موسوم کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کی کتابیں آسمان سے نازل کیں۔ پہلی کتاب توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسری انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

بہرصورت بنی اسرائیل کی بہ نسبت یہود نام جامع ہے کہ لفظ یہود کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو یہودیت کا پیروکار ہو نسلاً وہ یہودی ہو یا غیر یہودی۔ جبکہ بنی اسرائیل جو سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں ان میں یہودی' نصرانی اور مسلمان اور دوسرے ادیان والے بھی ہیں۔

۴۔ یہودیوں کا عقیدہ تحریف سے پہلے توحید اور صحیح ایمان والا عقیدہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ تھا لیکن اس کے بعد انہوں نے اس میں تحریف کی اور ایسی ایسی نئی چیزیں اس میں داخل کیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی تھیں اور اب ان کا دین شرک اللہ اور اس کے رسول کی دشمنی پر مشتمل ہے۔

(ب) صحیح عقیدے سے انحراف کی ابتداء:

یہودیوں نے عقیدے سے انحراف کی ابتدا حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی موجودگی میں اس

وقت کردی تھی جب انہوں نے ''ارنا اللہ جھرۃ'' ہمیں خدا ظاہری آنکھوں سے دکھا دو' کہا تھا اور جب بچھڑے کا بت بنا کر اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت شروع کردی تھی اور جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ''تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے'' کہا تھا۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے معجزات اور نشانیاں دیکھنے کے بعد ہوا اور ان آیات و معجزات سے بجائے اصلاح کے ان کے کفر و طغیان میں اضافہ ہوا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا تو انہوں نے دین میں تحریف اور توراۃ میں تبدیلی شروع کردی اور کہا ''عزیر ابن اللہ'' حضرت عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا کہ ''نحن ابناء اللہ و أحباؤہ'' ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ ان شرعی احکامات میں بھی تبدیلی کیا کرتے تھے۔

توراۃ کے نصوص میں تبدیلی کر کے اپنے علماء کی آرا کو اس کے مقابلہ میں مقدس سمجھا جس کو وہ ''تلمود'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یہ وہ شروح و اجتہادات ہوا کرتے تھے جن میں ان کے علماء ان کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو اپنی خواہشات سے حرام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نصرانیوں کے بارے میں فرمایا ''اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ'' کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث عدیؓ میں اس کی تفسیر فرمائی کہ ''اللہ کے سوا رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ کو حرام کرنے میں ان کی اطاعت کیا کرتے تھے۔''

۵- یہودیوں کے محرف عقیدے کی مختصر سرگزشت

(الف) اللہ کے بارے میں ان کے عقیدے کا فساد:

(۱) اللہ کے ساتھ غیر کو عبادت میں شریک کرنا کہ انہوں نے بچھڑے کو الٰہ بنایا پھر اس کا بت بنا کر اللہ کے سوا اس کی پرستش شروع کی جبکہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام ان میں موجود بھی تھے اور ان کو ان کے اس بیہودہ جرم سے منع بھی کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سامری کے قصہ کی ضمن میں فرمایا ''تو اس نے ان کے لیے

ایک بچھڑا بنا دیا جس کی آواز گائے کی سی تھی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کو کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نفع ونقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔

یعنی وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ بچھڑا بے زبان حیوان ہے۔ اگر یہ اس کو پکاریں تو اس میں جواب دینے کی طاقت نہیں جیسا کہ اس میں ان کو نفع پہنچانے کی صلاحیت بھی نہیں اور جب حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ کہہ کر کہ ''لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش اور تمہاری پروردگار تو خدا ہے میری اتباع کرو اور میرا کہا مانو'' تو انہوں نے اپنے کفر پر اصرار کرتے ہوئے کہا ''جب تک موسیٰ ہماری طرف واپس نہ آجائیں ہم اس کی عبادت کرتے رہیں گے۔

اور ان کا شرک فی العبادۃ میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنانے، صلحاء کو مقدس سمجھنا اور ان کے قبر پر سجدہ گاہیں بنانا اور وہاں عبادت کرنا نماز پڑھنا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا ''اللہ یہودیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبوروں سجدہ گاہ بنالیا تھا۔''

۲۔ اللہ کی طرف بیٹے کی نسبت کرنا:

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ''یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے'' یہود کا خیال تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہیں۔ اللہ کا بیٹا ہے جو یہ کہتے ہیں اللہ اس سے بلند و برتر ہیں۔ اللہ کے سوا انہوں نے حضرت عزیر کی پرستش شروع کی اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنی جہالت اور گمراہی کے بسبب وہ یہ کہنے لگے کہ ہم بھی اللہ کے بیٹے اور پسندیدہ ہیں اور دوسرے لوگوں کی بہ نسبت ہم اللہ کے ولی اور دوست ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے اس افتراء پردازی کو غلط ٹھہراتے ہوئے فرمایا

''وقالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباؤہ''

کہ یہود ونصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمان حق سے ان کے اس کہنے کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

"قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق"

آپ کہہ دیں کہ پھر وہ تمہارے بداعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے بلکہ تم بھی دوسروں کی طرح انسان ہو اور فرمایا

قل یا ایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء لله من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین. ولا یتمنونه أبداً بما قدمت ایدیھم والله علیم بالظالمین" (الجمعه)

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ اے یہودا اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی خدا کے دوست ہو اور دوسرے لوگ نہیں۔ اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو اور جو اعمال یہ کر چکے ہیں ان کے سبب یہ کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

۳- ان کا کہنا کہ (نعوذ باللہ) اللہ فقیر محتاج اور ہم غنی و مالدار ہیں:

یہ ایسا شنیع قول ہے جس کی جرأت کا فر فاجر اور کھلی گمراہی میں مبتلا شخص کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو نقل کرتے ہوئے فرمایا۔

لقد سمع الله قول الذین قالوا ان الله فقیر ونحن اغنیاء سنکتب ماقالوا وقتلھم الأنبیاء بغیر حق ونقول ذو قوا عذاب الحریق" (آل عمران)

ترجمہ: "اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں اللہ فقیر اور ہم امیر ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں ہم اس کو لکھ لیں گے اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں اس کو بھی اور قیامت کے دن کہیں گے جلنے والے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔"

۴- ان کا کہنا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہوا ہے:

یہ جملہ کنایہ ہے بخل سے۔ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہت بلند و برتر ہیں۔ اللہ کی طرف اس

برے جملے کی نسبت وہ اس وجہ سے کرتے تھے کہ وہ خود بخیل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان کی ذکر کرنے ان پر لعنت اور پھٹکار فرمائی ہے۔ فرمایا:

"وقالت الیھود یداللہ مغلولۃ غلت ایدیھم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء" (المائدہ)

ترجمہ: اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہی کے ہاتھ بندھے جائیں اور ایسا کہنے کی سبب ان پر لعنت ہو بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

۵- حضرت موسیٰ سے اللہ کی رؤیت کا مطالبہ کرنا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے کہا کہ "لن نومن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃً" (البقرہ) ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس کہنے سے انہوں نے گویا اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کو سمجھا ہی نہیں۔ یہ اتنے حقیر و ذلیل ہیں کہ ان کو اللہ کی رؤیت کی آرزو زیب ہی نہیں دیتی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اتنی عظمت و شان والے ہیں کہ اس کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ اللہ نے فرمایا "کلا انھم عن ربھم یومئذٍ لمحجوبون" (المطففین) بے شک یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے۔

۶- یہودیوں کا زعم کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے بنانے میں تھک گئے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان سے نظریے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

"ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب" (ق)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں ذرا بھی تکان نہیں ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتے

ہیں تو صرف کن فیکون کہنا ہوتا ہے۔

(ب) وحی اور اللہ کے کتابوں کے بارے میں یہودیوں کے عقیدے کا فساد:

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر نہ کوئی وحی نازل کی اور نہ کوئی کتاب۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ فرمایا

وما قدروا الله حق قدره اذ قالوا ما أنزل الله علىٰ بشر من شئ قل من انزل الكتاب الذى جاء به موسىٰ" (الانعام)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کی قدر جیسے جاننی چاہیے تھی نہیں جانی جب انہوں نے کہا کہ خدا نے کسی انسان پر وحی اور کتاب وغیرہ کچھ نازل نہیں کیا۔ آپ کہو کہ جو کتاب حضرت موسیٰ لے کر آئے تھے اس کو کس نے نازل کیا تھا۔

(ج) نبوۃ اور انبیاء کے بارے میں ان کے عقیدے کا فساد:

یہود سمجھتے تھے یہودیوں کے علاوہ اور جس کو یہود نبوۃ کے لیے متعین کر دیں، کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نبوۃ کا مستحق نہیں۔ اسی وجہ سے جب بھی ان کے پاس اللہ کا نبی آیا لیکن ان کے خبیث نفس نے ان کو نہ چاہا نہ مانا تو انہوں نے ان کو ایذائیں دیں۔ ان کو نکالا اور قتل کیا اگرچہ ان کا تعلق ان کے قوم سے کیوں نہ ہو۔ پس یہود، انبیاء، صالحین اور جو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا تھا کو قتل کرتے تھے۔ اللہ کریم نے فرمایا:

ان الذين يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير حق ويقتلون الذين يامرون بالقسط من الناس فبشرهم بعذاب اليم (آل عمران)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے اور جو انصاف کرنے کا حکم کرتے تھے ان کو بھی مار ڈالتے تھے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔

(د) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کے بارے میں یہود کے عقیدے کا فساد:

خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ کا انکار کیا کرتے تھے۔ جبکہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں اور ان کے پاس آپؐ کے حقانیت کے دلائل بھی تھے۔ جیسا کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

"الذین آتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم وان فریقاً منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون" (البقرہ)

ترجمہ: جن کو ہم نے کتاب دی وہ نبی آخرالزمان کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے تھے اور ایک فریق ان میں سے حق بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

(ھ) ملائکہ کے بارے میں فساد عقیدہ:

یہودیوں کا حسد صرف اپنے علاوہ دوسرے لوگوں سے نہیں تھا بلکہ بعض فرشتوں کے ساتھ بھی وہ حسد اور دشمنی رکھا کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جبرئیل اور میکائیل علیہم السلام ان کے دشمن ہیں۔ اللہ کریم نے اس کا ذکر فرمایا اور ان کے ساتھ اپنی دشمنی کا اظہار فرمایا:

"من کان عدواً للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین (البقرہ)

ترجمہ: جو اللہ کا اللہ کے فرشتوں کا، اللہ کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔

(و) آخرت کے بارے میں فساد عقیدہ:

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ جنت میں یہود کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا اور وہ گناہ گار جنہوں نے جرائم اور گناہ کیے وہ چند دنوں سے زیادہ آگ میں نہیں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم کو باطل قرار دیا اور فرمایا:

"وقالوا لن يدخل الجنة الا من كان هوداً او نصاریٰ تلک امانیهم قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین (البقرہ)

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ کوئی جنت میں نہیں جائے گا یہ ان کے باطل خیالات ہیں۔ اے پیغمبر کہہ دو اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

(ز) یہودی کی گمراہیوں کا ایک مختصر خاکہ:

(۱) فبما نقضهم میثاقهم — عہد توڑنا۔

(۲) وکفرهم بآیات الله — اللہ کی آیات کا انکار کرنا۔

(۳) وقتلهم الانبیاء بغیر حق — انبیاء کو ناحق قتل کرنا۔

(۴) وقولهم قلوبنا غلف بل طبع الله علیها بکفرهم فلا یؤمنون الا قلیلا

ان کا کہنا ہمارے دل پردے میں ہیں بلکہ اللہ نے ان پر مہر لگا دی، یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

(۵) وبکفرهم — اور کفر کرنا

(٦) وقولهم علیٰ مریم بهتاناً عظیما — مریم پر بہتان عظیم باندھنا

(۷) وقولهم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول الله

حضرت عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کے قتل کا دعویٰ کرنا

(۸) فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات احلت لهم

ان کے ظلم اور نا انصافی کی وجہ سے ان پر پاکیزہ چیزوں کا حرام ہونا

(۹) وبصدهم عن سبیل الله کثیرا

اکثر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا۔

(۱۰) واخذهم الربوا وقد نهوا عنه

ممانعت کے باوجود سود لینا۔

(۱۱) وأکلهم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکافرین منهم عذاباً الیما

لوگوں کے مال باطل اور ناحق طریقہ سے کھانا:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس نے یہودیوں کو پیدا کیا اور جو تمام مخلوقات ظاہری و باطنی حالات جانتا ہے‘ کا یہودیوں کے بارے میں یہ فیصلہ ہے۔

معزز قارئین! یہود کی شرعی‘ سیاسی‘ اقتصادی اور معاشرتی حیثیت کا مطالعہ‘ فلسطین میں یہود کی آبادکاری کی اصل اور یہود کی نسلی حقیقت‘ موجودہ یہود کی بنی اسرائیل کے تعلق اور رشتہ فلسطین اور خیبر پر ان کے دعوے کی حقیقت واصلیت اور یہود کی مجرمانہ ذہنیت‘ اللہ کریم کی جانب سے ان کے جرائم کی چارج شیٹ آپ کے نظر سے گزری۔ یہود کے بارے میں تمام مواد کا جمع کرنا نہ تو مقصود تھا اور نہ ہی میرے جیسے شخص کے لیے یہ ممکن تھا جو کچھ ممکنہ دستیاب مواد تھا وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ مقصود صرف اس قدر تھا کہ آج کل عام طور پر یہ بات کہی جانے لگی ہے کہ اگر باقی غیر مسلموں کو ہم تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ بات ضروری ہے کہ ہم فلسطین پر یہود کے قبضے کی شرعی حیثیت معلوم کر لیں۔ یہود اور اس کے پشت پناہ امریکہ‘ برطانیہ اور اقوام متحدہ‘ اس مہم کے حصہ کے طور یہ بات پیش کرتے ہیں کہ چونکہ یہود فلسطین کے اصل باشندے ہیں مسلمانوں نے ارض فلسطین پر قبضہ کیا تھا۔ جس کی وجہ اب یہود کا وہاں رہنا لازمی ہے۔ اس کی حقیقت یہود کی مختصر تاریخ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید اس دجل وفریب کا پردہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معاہدہ سے ہو جاتا ہے جو معاہدہ بیت المقدس کے نام سے کتب تاریخ کی زینت ہے کہ

”یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان‘ مال‘ گرجا صلیب‘ تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کے صلیبوں اور مال کے بارے میں کچھ کمی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ دوسرے شہروں

کی طرح جزیہ دیں۔ یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امن ہے تا کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا میں رہنا چاہے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسول خدا کے خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیانؓ اور یہ معاہدہ ۱۵ء میں لکھا گیا ہے۔ (تاریخ طبری، الفاروق)

اس فرمان میں یہ تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہیں۔ عیسائیوں کے خاطر ہی یہ شرط بھی منظور کی گئی تھی کہ یہودی ایلیا میں سکونت اختیار نہیں کر سکیں گے کہ ان کے عقیدے کے مطابق یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر سولی دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ چونکہ بیت المقدس میں پیش آیا تھا جس کی وجہ سے عیسائی یہود کی سکونت ناپسند کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی شرط کو منظور کر لیا تھا۔ اس معاہدے سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کا ارض فلسطین کے ساتھ کسی قسم کا تعلق اور رشتہ نہیں۔ عیسائیوں نے ایک معاہدہ کے تحت ایلیا مسلمانوں کے حوالہ کر کے رضا کارانہ دستبرداری کے ساتھ ساتھ جملہ حقوق بھی حاصل کر لیے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا بھی کوئی حق باقی نہ رہا۔ اب یہودیا ان کے پشت پناہوں اور سرپرستوں کا مضحکہ خیز دعویٰ کتنا بے حقیقت ہے کہ یہودی ارض فلسطین کے وارث ہیں۔ یہودی اس وقت امریکہ اور برطانیہ کی پشت پناہی کی وجہ سے غاصب کی حیثیت سے ارض فلسطین پر قابض ہیں اور اگر غاصب کو مسلمان بھی جائز حقدار سمجھ کر تسلیم کر لیں گے تو کیا یہ عدل و انصاف کا خون کرنے کے مترادف نہ ہوگا اور اگر مسلمان ان کو جائز حقدار تسلیم کر لیں تو اس حقیقت سے کس طرح انکار کیا جائے کہ مسلمانوں کا معاہدہ عیسائیوں کے ساتھ ہوا تھا اور اگر ان کو جائز حقدار تسلیم کر لیا جائے تو ان صحابہ کرام کے بارے میں تسلیم کرنے والے مسلمانوں کی رائے کیا ہوئی جن کو عیسائیوں نے فلسطین حوالے کیا تھا۔ اگر یہ جائز حقدار ہیں تو

نعوذ باللہ وہ غاصب تھے اور یہودی حکومت کو اگر جائز تسلیم کر لیا جائے تو آج تک انہوں نے جتنے مسلمانوں کو شہید کیا ہے جتنے املاک تباہ کیے، جتنی قتل و غارت گری کی، جتنی عصمت دری کی، یہ سب کچھ جائز تصور کرنا پڑے گا۔ یہود کو حق بجانب اور فلسطینی مسلمانوں کو غلط دہشت گرد، باطل نظریہ کے خاطر لڑنے اور ظالم غاصب تسلیم کرنا پڑے گا۔

۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد جہاں امریکہ برطانیہ اور اس کے ایجنٹ تنخواہ خور اتحادیوں نے مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی، جارحیت، قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے اور جس طرح مسلمانوں کے خلاف منظم طریقے سے میڈیا وار (ذرائع ابلاغ کی جنگ) شروع کر رکھا ہے اسی تناسب سے اسرائیل نے فلسطینیوں کا قتل عام شروع کیا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف اور فلسطینیوں کے خلاف بڑھتی ہوئی جارحیت کا تقاضا تو تھا کہ صف اول کے مسلم ممالک، افغانستان، عراق، کشمیر، فلسطین اور چیچنیا میں مسلمانوں کے خلاف روا رکھی جانے والی کھلی اور ننگی جارحیت اور اسرائیل کی ظالمانہ جنگی یلغار کا مقابلہ کرتے لیکن امریکہ، برطانیہ کی حکمت عملی نے صف اول کے مسلم ممالک کو بالکل الٹی سمت کی جانب چلا دیا کہ ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی بجائے یہ ممالک اسرائیل کے سامنے اسی طرح سر تسلیم خم کر دیں جس طرح امریکہ اور برطانیہ کے سامنے کیا ہوا ہے۔ پاکستان اور سعودی عرب جیسے ممالک میں بھی اسرائیل کی دہشت گردی، ظلم اور بربریت کے علی الرغم اسرائیل کو تسلیم کرنے کی تحریک شروع کروا دی۔ پاکستان تو ابھی تک بیانات پر ہی اکتفا کیے ہوئے ہے جبکہ سعودی عرب کے ولی عہد نے باقاعدہ کچھ شرائط کے ساتھ تسلیم کرنے کا عندیہ بین الاقوامی پریس کے سامنے دیا۔ پاکستان کے ارباب حل و عقد نے ممکن ہے یہ خیال کیا ہو کہ سعودی عرب کی حکومت کی جانب سے اگر اسرائیل کو تسلیم کرنے کا جو عندیہ دیا جا رہا ہے یہ کسی فائدہ پر مبنی ہوگا۔ تو یہ سوچ کسی فائدے پر نہیں بلکہ سراسر نقصان پر مبنی ہے اس لیے کہ سعودی عرب یا کوئی بھی مسلم ملک اگر یہود کی تسلیم کی بات کرتا ہے تو یہ کسی فائدہ پر مبنی نہیں بلکہ امریکہ اور برطانیہ کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا نتیجہ ہوگا۔ جس میں آ کر اگر اسرائیل کو تسلیم کر لیا گیا تو اس کا فائدہ نہ تو تسلیم کرنے والے ممالک کو ہوگا نہ فلسطینیوں کو اور نہ ہی عالم اسلام کو۔ امریکہ برطانیہ اور اسرائیل کی ریشہ دوانیاں عالم اسلام کے خلاف بدستور رہیں گی

بلکہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانا اسرائیل کے لیے مزید آسان ہو جائے گا۔ جس طرح کہ امریکہ اور برطانیہ کے لیے آسان ہے۔ عالمی طاغوتی طاقتیں جس دجل وفریب اور دھونس سے اسرائیل کو وجود میں لائی ہیں انہی ہتھکنڈوں پر عمل کرتے ہوئے عالمی استعمار نے مختلف ممالک سے اسرائیل کو تسلیم کروایا۔ چند فطرتاً یہودی ممالک کے علاوہ جن ممالک نے بھی اسرائیل کو تسلیم کیا وہ بغیر دباؤ کے نہ تھا۔ چین نے ہانگ کانگ حاصل کرنے کے معاہدہ میں اسرائیل کو دباؤ میں تسلیم کیا۔ مصر اور خلیجی ریاستوں نے امریکی اور عالمی صیہونی سازشوں کے جال میں پھنس کر اسرائیل کو تسلیم کیا۔ امریکہ جب مصر اور خلیجی ریاستوں سے اسرائیل کو تسلیم کروا رہا تھا اس وقت سعودی عرب امریکی دباؤ میں آنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد صیہونی سازشیں بار آور ہوئیں اور امریکہ نے سعودی عرب کو دباؤ میں مبتلا کر دیا۔ سعودی حکمرانوں نے دباؤ سے نکلنے کے لیے صفائیاں پیش کیں۔ امریکہ کی مالی امداد کی لیکن چونکہ عالمی صیہونی سازش سعودی عرب کو مستحکم کرنے کی بجائے متزلزل کرنے کی ہے جس کی وجہ سے امریکہ سعودی عرب کے کسی صفائی یا عذر کو قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا بلکہ امریکہ کا مسلسل دباؤ اسرائیل کو تسلیم کرنے کا ہے اور پاکستانی حکومت جو کہ عوامی تائید سے محروم ہے، نے بھی اسی دباؤ کی زد میں ہے۔ اگر سعودی عرب، پاکستان، انڈونیشیا اور ملیشیا امریکی دباؤ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے (جو کہ زیادہ قرین قیاس بھی ہے) اسرائیل کو تسلیم کر لے تو اسرائیلی خفیہ تنظیمیں اور ایجنسیاں جو ان ممالک میں پہلے سے تخریب کاری میں ملوث ہیں، کو مزید سازشوں اور تخریبی کارروائیوں کے لیے سفارتی عملہ اور سفارت خانوں کی شکل میں ایک مضبوط مورچہ ہاتھ آ جائے گا جس کی وجہ سے صیہونی سازشیں زبردست تخریبی کارروائیاں اور زبردست دہشت گردی کا مظاہرہ کر کے ان حکومتوں کو ختم کر کے استعماری قوتوں کی نوآبادیاتی اور کٹھ پتلی حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

محترم فاضل تجزیہ نگار طارق مجید اور امتیاز وریا لکھتے ہیں:

جناب طارق مجید

حقائق اور دلائل کی رو سے اسرائیل کے وجود کا عدم جواز

حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ اس انسانیت دشمن ریاست کی ماہیت' فطرت' توسیع پسندی کی حرص اور اس کے طاغوتی نظریات اور عزائم کے بارے میں بے شمار حقائق اور شواہد موجود ہیں جو اسے دنیا اور خصوصاً اہل اسلام کے لیے ناقابل قبول قرار دیتے ہیں۔ مسلم حکمرانوں' پالیسی سازوں' دانشوروں اور عالم لوگوں کی توجہ کے لیے چند حقائق جو خصوصی آگاہی اور فہم کا تقاضہ کرتی ہیں پیش کیے جاتے ہیں یہ سب سیاسی' واقعاتی اور تاریخی یعنی غیر مذہبی حقائق ہیں جو اسرائیلی ریاست کو ناقابل تسلیم کرتے ہیں۔

۱- تاریخ شاہد ہے کہ اسرائیل دھوکہ دہی اور غاصبانہ قبضے سے فلسطین عربوں کو علاقہ سے بے دخل کر کے قائم یہ دنیا کی واحد ریاست ہے جو نسلی امتیاز قائم کرنے کے لیے یعنی صرف یہود کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسرائیل میں بسنے والے فلسطین عرب اور مسلمان اسرائیل قانون کے تحت دوسرے نمبر کے شہری ہیں اور انہیں وہ آزادی' عزت اور سہولتیں حاصل نہیں جو صرف یہودی اسرائیلیوں کے لیے مخصوص ہیں۔

۲- بین الاقوامی قانون اور ریاستوں کے وجود کے اصولوں کے مطابق اسرائیل غیر قانونی ریاست ہے کیونکہ اقوام متحدہ کے تحت ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اسرائیل کے قیام کے لیے فلسطین کی تقسیم کے بغیر فلسطینی باشندوں کی رضامندی کے قطعاً غیر قانونی تھی' بین الاقوامی قانون کے دیانتدار ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ فیصلہ اقوام متحدہ کے اختیار میں ہی نہیں تھا کہ وہ کسی علاقہ کو اس میں صدیوں سے بسنے والی قوم کی مکمل رضامندی اور شمولیت کے بغیر تقسیم کر کے علاقے کا کوئی حصہ

دوسری قوم کو عطا کر دے۔ مستقبل میں اسرائیل کی غیر قانونی حیثیت کو یہ چیلنج پھر ضرور اٹھے گا۔ اسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے جو ممالک اسرائیل کو تسلیم کر لیتے ہیں وہ یہ نکتہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

۳۔ یہ دلیل کہ اسرائیل چونکہ ۵۴ سال سے قائم ہے اس لیے اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔ بے بنیاد اور بے وزن ہے وقت قانون کے مسلمہ اصولوں کو مٹا نہیں سکتا۔ ارجنٹائن کے جزائر فاک لینڈ کو برطانیہ نے (۱۵۰) ایک سو پچاس سال اپنے قبضہ میں رکھا لیکن ارجنٹائن نے برطانیہ کا حق ملکیت کبھی قبول نہ کیا اور ۱۹۸۲ء میں برطانیہ سے اس خطہ زمین کے لیے جنگ ہارنے کے باوجود جزائر فاک لینڈ پر برطانیہ کا حق ملکیت تسلیم نہ کیا۔ مقبوضہ کشمیر ۵۵ سال سے ہندو انڈیا کے قبضے میں ہے لیکن پاکستان اور اہل کشمیر نے انڈیا کے قبضے کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور نہ کریں گے۔ فلسطینی قوم نے اسرائیلی قبضے کو شروع سے تسلیم نہیں کیا اور نہ کریں گے اور پھر اسرائیل کے غیر قانونی اور ناجائز ہونے کی نوعیت اتنی سنگین اور مجرمانہ ہے کہ وقت کبھی اسے قبولیت عطا نہیں کر سکتا۔

۴۔ اسرائیل یہودی نہیں بلکہ صیہونی ریاست ہے۔ اس کے قوانین اور سرکاری ریکارڈ میں ''صیہونی ریاست'' ہی اس کی توصیف ہے۔ ریاست کا قومی نظریہ صیہونیت ہے۔ ریاست کے قیام سے پچاس سال قبل اس ظلی اور تمثیلی حکومت عالمی صیہونی تنظیم یعنی ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن کے ہاتھوں میں تھی اور اس کے چوٹی کے دو صیہونی عہدیدار ''کائم وائزمن'' اور ''ڈیوڈ بن گریان'' بالترتیب ریاست کے پہلے صدر اور وزیر اعظم بنے۔ اگر یہ یہودی ریاست ہوتی تب بھی یہ غیر قانونی، غاصبانہ اور ناقابل قبول تھی۔ تاہم اس صورت میں یہ ممکن نہ تھا کہ اس کی فطرت میں مذہب کے احترام اخلاقی اقدار کی قبولیت اور

انسانیت دوستی کے کچھ آثار موجود ہوتے لیکن صیہونیت کے عقائد خدا' پیغمبران خدا' الہامی کتابوں اور دین کے بدترین مخالف ہیں۔ صیہونی خاص طور پر دین اسلام قرآن مجید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے دشمن ہیں۔ صیہونی یہود عرصہ دراز سے اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف باقاعدہ جنگ میں مصروف ہیں جو پہلے زیادہ تر در پردہ تھی مگر اب کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلم حکمران' حکام اور دانشور بلکہ عام فہم والے مسلمان بھی اپنے خلاف اس جنگ کو نہ دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو صیہونی یہود کی دشمنی اور ان بد خصلتوں اور سازشوں سے بار بار خبردار کیا اور وارننگ دی کہ ان سے دوستی کرنے والوں پر اللہ کا عتاب اور عذاب مسلط ہو جائے گا۔ نیو ورلڈ آرڈر کے تمام بد اقدار' لادینیت' زر پرستی' بے حیائی' بے راہ روی' شہوانی ہم جنسیت' جنہیں تمام دنیا میں رائج کیا جا رہا ہے اور جنہیں عیسائیت کے سر تھوپ دیا گیا دراصل صیہونیت کے اقدار ہیں۔ اسرائیل کے قیام کا ایک بڑا مقصد عالمی صیہونت کو اسلام کے خلاف بھر پور جنگ کرنے کے لیے ایک خصوصی ریاستی مرکز فراہم کرنا تھا۔ صیہونیت کے اس مرکز سے مسلمانوں کو مسلسل دشمنی جارحیت اور شر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ صیہونیت کا یہ مرکز کسی صورت قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

۵- اسرائیل کے قیام کے لیے صیہونی یہود نے فرضی دعویٰ بنانے کے لیے ایک جعلی دلیل گھڑی کہ دو ہزار سال قبل فلسطین یہودیوں کی ریاست تھی۔ اس لیے یہ علاقہ دنیا کے یہود کو واپس دیا جائے۔ اس دعویٰ کے جواب میں علامہ اقبال نے سپین ۷۱۲ء سے ۱۴۹۲ء تک ۷۸۰ سالہ

طویل مسلم دور حکومت رکھ یہ لاجواب شعر کہا تھا۔

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

تاریخی حقائق نے صیہونی جعلی دعویٰ غلط ثابت کر دیا۔ چنانچہ امریکی دانشور پال فنڈلے اپنی کتاب ''اسرائیل کی دیدہ دانستہ فریب کاریاں'' میں لکھتا ہے ''فلسطین کے پانچ ہزار سالہ دستاویزی تاریخ میں قدیم یہودیوں کا مجموعی عہد حکومت محض چھ سو سال کا تھا۔ فلسطین میں ہمیشہ سے اکثریت فلسطینی عربوں کی رہی ہے اور یہود اقلیت میں رہے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں اعلان بالفور کے وقت فلسطین میں چھ لاکھ عرب اور صرف ساٹھ ہزار یہودی آباد تھے۔''

ایک فرضی دلیل جو انسانی ذہنیت کا مذاق اڑاتی ہے۔ اسرائیلی ریاست کی بنیاد ہے۔ برطانیہ سے اعلان بالفور حاصل کر لینے کے بعد عالمی صیہونی تنظیم کے صدر ''کائم وائزمن'' نے صیہونی پالیسی سازوں اور دانشوروں سے کہا کہ ''صیہون (یروشلم) میں یہود کی واپسی ایک بڑی طاقت کے بغیر ممکن نہیں'' یہ بات رچرڈ کراسمن'' نے اپنی کتاب ''ایک نوزائیدہ قوم'' میں لکھی جو ۱۹۶۰ء میں لندن میں شائع ہوئی۔

یہ بڑی طاقت امریکہ تھی۔ اس کی مدد سے دھاندلیوں کے ذریعے اسرائیلی صیہونی ریاست وجود میں لائی گئی اور اسے کئی ممالک سے تسلیم کروایا گیا۔ اگر دوسرے ممالک نے کئی سال انکار کرنے کے بعد بڑی طاقتوں کے شدید دباؤ اور اپنی لاچاری سے مجبور ہو کر اس ناجائز ریاست کو تسلیم کر بھی لیا ہے تو یہ مسلم ممالک کے لیے کوئی مثال نہیں کہ وہ بھی اسے تسلیم کر لیں۔ خصوصاً جبکہ ریاست کے قیام کے اثرات اور اسے باقاعدہ تسلیم کر لینے کے نتائج غیر مسلم ممالک کے لیے بھی سیاسی،

معاشی، نفسیاتی، مذہبی اور فوجی اعتبار سے عموماً ضرر رساں ضرور ہیں لیکن مسلم ممالک کے لیے یہ نتائج از حد نقصان دہ اور فتنہ انگیز ہیں۔ ایسے تباہ کن نتائج کے لیے کسی صورت بھی راہ ہموار نہیں کرنی چاہیے۔

۵۔ موجودہ اسرائیلی ریاست کو خود یہود کے کئی طبقے قبول نہیں کرتے بلکہ اس کے شدید مخالف ہیں لیکن انٹرنیشنل میڈیا پر صیہونی کنٹرول کی وجہ سے ان کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ان روایتی مذہبی یہود کے فرقوں کے علاوہ لبرل صیہونیت مخالف یہودیوں کا طبقہ بھی شامل ہے۔

معروف یہودی سکالر ڈاکٹر ایلمر برجر اپنے مقالہ ''کیا اسرائیل بائبل کی پیشن گوئیوں کی تکمیل ہے''، میں لکھتا ہے

''یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پکا مذہبی یہودی یہ نہیں مانتا کہ موجودہ اسرائیلی ریاست اس طریق سے عمل میں آئی ہے جو بائبل کے احکامات سے ذرہ بھی مطابقت رکھتا ہو۔''

پیلیسٹائن سٹڈیز بیروت ۱۹۷۰ء ڈاکٹر ایلمر کا تمام مقالہ اسرائیل کے وجود کی رد میں ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

''پکے یہودی درحقیقت موجود خود مختار اسرائیلی ریاست کے وجود کو بائبل کے فرمودات کی تحقیر سمجھتے ہیں اور اس ریاست کو مطلقاً رد کرتے ہیں بلکہ وہ اس بات پر سخت ناراض ہیں کہ اس صیہونی ریاست نے اسرائیل کا نام ہتھیالیا۔''

دوسرے کئی اسرائیلی مخالف یہودی دانشوروں میں سرفہرست پروفیسر الفرڈ للی انتھل کا نام ہے جس نے اسرائیل کے بعد مشہور مقالہ بعنوان ''اسرائیل جھنڈ میرا جھنڈ نہیں ہے'' لکھا اور پھر کئی کتابیں اسرائیلی ریاست کو مسترد ثابت کرنے والے بے شمار سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور تاریخی حقائق اور ثبوتوں کے ساتھ لکھیں۔ ڈاکٹر للی انتھل کی کتابوں مین اسرائیلی ریاست کے بارے میں دو سبق مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے لیے خصوصی توجہ کے لائق ہیں۔ ایک یہ

کہ اسرائیل جھوٹ،فریب، دہشت گردی، ناانصافی اور زبردستی سے بنایا گیا ہے اور انہی ہتھکنڈوں سے مختلف ممالک سے قبول کروایا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ہمیشہ ٹکراؤ، ظلم غارت گری اور جنگ کا باعث بنتا رہے گا۔

اسرائیلی ریاست پر اس صیہونیت مخالف دانشور کی نظر بہت گہری ہے۔اس نے اپنی ۱۹۶۵ء کی شائع شدہ کتاب یعنی ''اسرائیلی ریاست کا دوسرا چہرہ'' میں لکھا:

''یہ سوچنا بے بنیاد ہے کہ مستقبل میں جہاں تک نگاہ جا سکتی ہے۔ اسرائیل اور اس کے عرب ہمسائے امن وامان سے اکٹھے رہنے کی کوئی صورت وضع کر سکتے ہیں۔ بلکہ اگلے دو تین سال کے اندر ایک بڑے اسرائیل عرب جنگی تصادم کا بہت امکان ہے۔ اسرائیل یہ سوچتے ہوئے کہ جنگ اس کی بقا کے لیے ضروری ہے خود ساختہ دفاع کے طور پر اپنے عرب ہمسائیوں پر حملہ کر دے۔''

اسرائیل نے بالکل یہی حرکت کی اور جون ۱۹۶۷ء میں مصر، اردن اور شام پہ اچانک حملہ کر دیا۔ امن وسلامتی کو ہر دم برباد کرنے والی صیہونی ریاست کی فطرت کبھی نہیں بدل سکتی۔ یہ ریاست کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

مسلم حکمرانوں کے لیے عبرت اور تشویش کا وقت ہے۔ مسلم ممالک خصوصاً سعودی عرب اور پاکستان کو سوچنا چاہیے کہ جو ریاست علی الامکان مسلم ممالک اور دین اسلام کی دشمن ہو ۵۰ سال سے دشمنانہ کارروائیاں کر رہی ہو اور اپنے کئی مذموم عزائم کا برملا اظہار بھی کر چکی ہو کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے؟ عالمی صیہونیت کے لاتعداد صیہونی عالمی عزائم ہیں جو بنیادی طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ، قرآن مجید، اسلامی ضابطہ حیات اور مسلم ممالک کی آزادی سالمیت، اقتصادی وسائل وصلاحیت اور فوجی طاقت کے خلاف دشمنی پہ مبنی ہیں۔ یہ سب کچھ بے پردہ ہو چکے ہیں۔ روزانہ کے انٹرنیشنل میڈیا میں انہیں شناخت کیا جا سکتا ہے اور ان کے بروئے عمل ہونے کے طریقے دیکھے جا سکتے ہیں۔

دنیائے اسلام کے خلاف اسرائیل کے منصوبے

عالم اسلام کے خلاف تباہ کاری کے صیہونی عزائم ومنصوبوں کا اعلان واقرار اسرائیلی لیڈر اپنے قومی اغراض ومقاصد کے حوالے سے متعدد بار کر چکے ہیں۔ ان میں سے چند مہا فتنوں کا ذکر یہاں ضروری ہے کیونکہ ان پر منصوبہ بندی کے مطابق تیزی سے عمل ہو رہا ہے جبکہ مسلم حکمران اور مدبرین انہیں روکنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کر رہے ہے۔

۱- بیت المقدس یعنی یروشلم اور دیگر مقبوضہ فلسطینی علاقوں پہ مستقل اسرائیلی قبضہ رکھنا۔ یروشلم کو برائے نام انٹرنیشنل حیثیت دینے کے لیے اسرائیل خود تیار ہے۔ کیونکہ اس طرح دنیا دھوکے میں رہے گی۔ جبکہ کنٹرول اسرائیل کا ہی رہے گا۔

۲- مسجد اقصیٰ گنبد صخریٰ اور مسجد ابراہیم کو گرانا اور مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کے نام پہ صیہونی مندر بنانا تاریخی بابری مسجد پر ہندوؤں کا جعلی ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہندو بلوائیوں کا اس ساڑھے چار سو سالہ پرانی مسجد کو گرانا اور اس کی جگہ مندر کھڑا کرنے کا عزم دراصل مسجد اقصیٰ کے خلاف صیہونی منصوبے کا ہی حصہ ہے اور اس کی راہ ہموار کرنا ہے۔

۳- ایک نام نہاد فلسطینی ریاست کا قیام جو لوکل گورنمنٹ کی طرح اسرائیل کے تحت ہوگی۔ لبنان اور اردن کو توڑنے کے اسی قسم کی لوکل چھوٹی ریاستیں اسرائیلی فیڈریشن کے تحت لانا۔

۴- مختلف فتنوں اور ہتھکنڈوں سے تمام مسلم مالک کو توڑنا تاکہ اسلام کبھی بھی سیاسی اور فوجی طاقت نہ بن سکے۔ فرانسیسی مسلم دانشور راجو گارودی اپنی کتاب ''اسرائیل اے سٹڈی آف پولیٹیکل زائزم'' لندن ۱۹۸۳ء میں مسلم ممالک کو توڑنے کا وہ تمام منصوبہ درج کیا ہے جو عالمی صیہونی تنظیم ورلڈ زائیونسٹ آرگنائزیشن کے سرکاری میگزین کیورنیم

''بمعنی ہدایات'' میں فروری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا اس میں اکثر مسلم ممالک کا تذکرہ نام لے کر اور باقی کا اشارتاً کیا ہے۔

راجو گارودی کی وارننگ اس خوفناک اور نہایت مفصل منصوبے میں جو اس وقت پوری رفتار سے بروئے عمل ہے کیا فتنے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے لیے پروفیسر گارودی کی خود دی ہوئی وارننگ فوری غور و فکر کا تقاضہ کرتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''یہ مضمون بعنوان ''اسرائیل کے لیے ۱۹۸۰ء کی دہائی اور بعد کے لیے سٹریٹجی'' وہ طریق کار اور تدابیر بتاتا جنہیں اپنا کے اسرائیلی ریاست ماضی کی اپنی تمام جنگی اور جارحانہ کاروائیوں سے بہت آگے نکل کے گہری منصوبہ بندی اور ترکیب کے ساتھ تمام عرب اور دیگر مسلم ممالک کی سلامتی اور سالمیت کے نظام کے خلاف مداخلت کر کے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا عزم پورا کر سکتی ہے۔ جو غیر مشروط اور غیر محدود مدد امریکہ اسرائیلی ریاست کو دیتا ہے اس کی پشت پناہی سے اسرائیل کی یہ وسیع اور گہری مہم بالآخر نہ صرف عرب اور مسلم ممالک بلکہ پوری تیسری دنیا میں طوفانی ہلچل پیدا کر دے گی۔ یہ مہم جوئی اپنے اندر تیسری عالمی جنگ کے لیے خطرناک ترین دھماکہ خیز مرکب رکھتی ہے۔ وہ جنگ جس میں دونوں طرف سے ایٹمی اسلحے کے استعمال کا قوی امکان ہے عالمی خودکشی ہوگی۔

یہ صیہونی منصوبہ صرف ایک محدود خطے ہی کو نہیں متاثر کرتا بلکہ پوری دنیا کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ یہ غلبہ حاصل کرنے کے جنونی مقاصد مزید خطرناک بن جاتے ہیں۔ جب یہ مدنظر رکھا جائے کہ صیہونی ریاست اب تک ہر وہ مقصد پورا کرتی رہی ہے جس کا عزم اس نے برملا کیا تھا۔ حالانکہ اس کے کئی مقاصد دیومالائی اور فرضی تھے اور دیوانہ پن اور قیاس پر مبنی تھے۔ چنانچہ ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن کی صادر کردہ مضمون کے چند فوری توجہ کے حصے ہم نے اس کتاب میں نقل کیے ہیں تاکہ پولیٹیکل صیہونی کے صدیوں پرانے ''عظیم تر اسرائیل'' بنانے کے ارمانوں کو آج کے حالات میں عملی جامہ پہنانے کے صیہونی عزائم کو آشکار کیا جائے۔

مسلم ممالک کو توڑنے کے منصوبے کا خاکہ

راجو گارودی کی کتاب کا ہر فقرہ مسلم حکمرانوں اور پالیسی سازوں کے مطالعے اور تدبر کے لائق ہے تا کہ وہ اسرائیلی ریاست کی بھیانک اصلیت سے خبردار ہوں اور اسے کسی بھی قیمت پر تسلیم کرنے سے باز رہیں۔ اس مضمون میں ممکن نہیں کہ مسلم مالک کے توڑنے کے اسرائیلی منصوبے کا کوئی بڑا حصہ نقل کیا جاسکے۔ صرف ایک نہایت مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ پروفیسر گارودی نے جو صیہونی رسالے کا مواد نقل کیا ہے یہ اس کے ایک چھوٹے سے حصے کا ہو بہو ترجمہ ہے۔

جزیرہ نما سینائی کو دوبارہ اپنی مملکت میں لانا اور مصر کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں توڑنا اسرائیل کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ مصر اپنے اندرونی حالات خصوصاً مسلم مسیحی تنازعے کے آئینے میں مردے کی مانند نظر آتا ہے۔ بالائی مصر میں ایک کاپٹک مسیحی ریاست اور اس کے آس پاس کمزور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا قیام صاف نظر آرہا ہے۔ جب مصر ٹوٹے گا تو لیبیا سوڈان اور دور تک کی مسلم ریاستیں مصر کی طرح منہدم ہو کے پارہ پارہ ہو جائیں گی۔ اردن کو تہس نہس کرنا اسے کمزور فلسطینی ریاست بنانا (مغربی کنارے کے فلسطینیوں کو ادھر دھکیل دینا) اسرائیلی پالیسی ہونی چاہیے۔ شام اور عراق نسلی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر توڑے جانے کے لیے تیار ہیں۔ انہی توڑنا اسرائیل کا طویل المیعاد عزم ہے۔ شام کے ساحل پر شیعی علوی ریاست ہوگی۔ شمال میں دروزی اپنی ریاست بنائیں گے۔ دمشق اور الپو کے گردسنی ریاستیں ہوں گی۔ عراق کم از کم تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ موصل' بغداد' اور بصرہ کے گرد چھوٹی ریاستیں بنیں گی۔ لبنان کی پانچ حصوں میں تقسیم عرب دنیا کے مستقبل کے لیے مثال ہے۔ پورا جزیرہ نما عرب خصوصاً سعودی عرب توڑے جانے کے لیے نیچرل (طبعی طور پر) امیدوار ہے۔ بلالحاظ کہ اس کی تیل پر مبنی مالی طاقت برقرار رہتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ عربوں میں ہر قسم کا باہمی نفاق وتصادم ہمارے لیے مددگار ہے۔

حالات پر غور کرنے سے اس تباہ کن منصوبے اور اس پر اسرائیلی عمل درآمد کی تصدیق ہو

جاتی ہے۔ عراق صومالیہ اور افغانستان کی سالمیت ختم ہو چکی ہے۔ سوڈان، نائیجیریا، انڈونیشیا اور کئی دوسرے اسلامی ممالک کی سالمیت شدید فوری خطرے میں آ چکی ہے۔ صیہونی یہودی بے شک پوشیدہ رہتے ہیں اور اپنے مخصوص عزائم کے لیے فتنہ گری، امریکہ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے پردے میں کرتے ہیں۔ تاہم اب ان کے بارے میں بہت کچھ ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر مصر اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے تو اس میں اسرائیلیوں کو گزشتہ ۲۴ سالوں میں مصر کے اندر رسائی اور تخریب کاری کی جو سہولت ملی ہے اس کا بہت دخل ہے۔ اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کر لینے کے بعد دوسری مشکلات کے علاوہ مصری سیکیورٹی ایجنسیوں اور ذرائع ابلاغ کے لیے اسرائیلی فتنوں کو آشکارا کرنا اور ان کے خلاف دفاع کرنا بہت مشکل ہو گیا۔ عالمی صیہونیت اور صیہونی کا ہدف اول پاکستان ہے۔ اسرائیلی دشمنی اسلامی جمہوریہ پاکستان پر مرکوز ہے۔ مسلم ممالک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا اسرائیلی منصوبہ دراصل بہت مدت سے رواں ہے اور صیہونی فتنوں کا سب سے زیادہ زور شروع سے اور آج بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف ہے۔ وجوہات کئی ہیں، ایک اہم وجہ یہ ہے کہ اسرائیل صیہونی نظریاتی ملک ہے اور پاکستان اس کے بالکل برعکس اسلامی نظریاتی ملک ہے اور خدا دشمن صیہونیت اپنا سب سے بڑا مخالف اسلام کو سمجھتی ہے۔ صیہونی یہود کو معلوم ہے جبکہ بدقسمتی سے اکثر پاکستانیوں کو بھی یہ حقیقت معلوم نہیں کہ پاکستان کو قدرت نے وہ تمام ذرائع اور وسائل اور اس کے باشندوں کو وہ تمام صلاحیتیں عطا کی ہیں جو اسے ایک عالمی طاقت بنا سکتی ہے اور یہ کہ اسلام کو زبردست سیاسی، فوجی، اقتصادی اور معاشرتی قوت بنانے اور دنیائے اسلام کو متحدہ طاقت بنانے کی زیادہ ترین طاقت پاکستان میں ہے۔

پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے سب سے زیادہ خوفزدہ اسرائیل ہے اور وہی اس کا شدید ترین مخالف ہے۔ صیہونی یہود ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے خلاف ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ پاکستانی حکمرانوں کے لیے لازمی ہے کہ ملک کو بچانے کے لیے فوری طور پر پختہ عزم و ہمت سے اپنی پالیسیوں کو تبدیل کریں کیونکہ اسرائیل اور صیہونی امریکی پالیسی ساز نہایت مکاری اور تیزی سے پاکستان کو ایسے اقدامات لینے پر مجبور کر رہے ہیں جو اصلیت میں

صیہونی منصوبوں کا حصہ ہیں اور نہایت فتنہ انگیز ہیں اور جن کے نتائج پاکستان کی وحدت اور سالمیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کے لیے ساخت کیے گئے ہیں۔ اسرائیلی ریاست کو پاکستان سے تسلیم کروانا ایسا ہی ایک تباہی لانے والا منصوبہ ہے۔ پاکستانی حکمرانوں دانشوروں' صحافیوں اور سیاسی مذہبی لیڈروں کو پہلے اور کٹر صیہونی وزیراعظم ڈیوڈ بن گریان کا وہ زہر بھرا اعلان کبھی نہیں بھولنا چاہیے جو ۱۹۶۷ء میں مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوا۔

''ہماری عالمی صیہونی تحریک کو فوری طور پر ان خطرات کا نوٹس لینا چاہیے جو ہمیں مملکت پاکستان کی طرف سے ہیں اور اب عالمی صیہونی تحریک کا اولین ہدف پاکستان ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ نظریاتی ریاست ہمارے اسرائیل کی سلامتی کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے اور یہ ملک پاکستان اس کا ہر باشندہ عربوں سے بھی زیادہ بڑا خطرہ ہے۔ چنانچہ اب عالمی صیہونیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف اقدامات کرے۔ چونکہ ہندوستان میں بسنے والوں کی اکثریت ہندوؤں کی ہے جن کے دلوں میں صدیوں سے مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور نفرت بھری پڑی ہے اس لیے انڈیا ہمارے لیے اہم ترین اڈہ ہے۔ جہاں سے ہم پاکستان کے خلاف ہر قسم کی کارروائیاں کر سکتے ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اس نہایت کارآمدہ اڈے سے فائدہ اٹھائیں اور انتہائی مکارانہ اور خفیہ کارروائیوں سے یہودیوں اور صیہونیت کے ان دشمنوں پاکستانیوں پر زبردست وار کر کے انہیں کچل کے رکھ دیں۔''

کیا پاکستان کے خلاف ہی اسرائیل کا اعلان جنگ نہیں؟ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور پاکستانی فوج کی ذلت آمیز شکست کا جامع تحقیقاتی تجزیہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کے پیچھے اسرائیلی اور امریکی صیہونی پالیسی سازوں کی گہری منصوبہ بندی اور پوری مدد تھی۔

پاکستان کے خلاف اسرائیل اور انڈین عزائم ایک جیسے ہیں ۱۹۷۱ء کے تباہ کن بحران

میں مرکزی کردار کٹر صیہونی امریکی ہنری کسنجر نے ادا کیا جو اس دوران امریکی صدر رچرڈ نکسن کے قومی سلامتی کے مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے وائٹ ہاؤس سے تمام بحرانوں کی راہبری کر رہا تھا۔ ۶ نومبر ۱۹۹۵ء کے روزنامہ دی نیوز کے مطابق نئی دہلی میں سول اور فوجی دانشوروں کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ہنری کسنجر نے انکشاف کیا کہ ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کو وجود میں لانے کی مہم میں امریکی عزائم وہی تھے جو انڈین عزائم تھے۔

اس وقت صاف نظر آ رہا ہے کہ پاکستان کے خلاف اسرائیل، امریکہ اور انڈیا کے عزائم ایک جیسے ہیں۔ اسرائیل اور انڈیا کا باہمی گٹھ جوڑ پہلے سے بہت زیادہ وسیع اور مضبوط ہو چکا ہے۔

عالمی صیہونیت کا عظیم تر اسرائیل کا دعویٰ اور اسے پورا کرنے کا عزم سعودی عرب سمیت پوری امت مسلمہ کے خلاف نہایت بھیانک منصوبہ ہے۔ اس دعویٰ کو اسرائیلی قومی دستاویزات اور پالیسیوں میں سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ سعودی پاکستانی اور دیگر مسلم حکمران، سیاسی اور فوجی مدبرین، کلیدی پالیسی ساز اور بعض دانشور اور علماء دین اگر یہ سوچتے ہیں کہ یہ دعویٰ محض کتابی ہے یا صرف پروپیگنڈا ہے تو وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اسرائیلی حکومت اور عالمی صیہونیت کے لیڈر اس دعویٰ پر پوری ضد سے قائم ہیں۔ وہ عظیم تر اسرائیل کو اپنا انمٹ دائمی حق سمجھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اس کا برسرِ عام بھی اعلان کرتے ہیں۔ سپین کے مشہور میڈرڈ میں ۱۹۹۱ء میں جب اسرائیلیوں اور عربوں کے مابین ''مشرق وسطیٰ کانفرنس'' کو شروع ہوئے چھ دن گزرے تھے تو روزنامہ دی نیوز نے ۶ نومبر ۱۹۹۱ء کو یہ خبر شائع کی کہ ''میڈرڈ میں اسرائیلی وزیراعظم اضحاک شمیر نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ اسرائیل اپنی حدود کو ضرور وسیع کرے گا۔ توسیع کا علاقہ جنوب میں مصر سے لے کر شمال میں ترکی تک ہے اور اس میں شام، عراق، سعودی عرب، لبنان اور کویت کا بیشتر حصہ شامل ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے دعویٰ کیا کہ مشرق وسطیٰ میں ریاستی توسیع کا حق صرف اسرائیل کو ہے اور امریکہ یا سوویت یونین کا اس معاملہ میں کوئی حق نہیں۔

''عظیم تر اسرائیل'' کے پرانے نقشے میں جو اسرائیلی رسالوں اور کتابوں میں اکثر ملتا

ہے۔ مدینہ منورہ اسرائیلی حدود میں بتایا گیا ہے اب جدہ اور کچھ اور علاقے بھی اس میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

اسرائیل کو تسلیم کرنا مسلم دنیا کو تباہی میں دھکیلنا ہے۔ مسلم ممالک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے اسرائیلی منصوبے کے ساتھ اضحاک شمیر کے اعلان کو ملا کر غور کریں تو ''عظیم اسرائیل'' کا فتنہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ پروفیسر لِلی انتھل نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''دی زائسٹ کنکشن'' یعنی مخصوص صیہونی بندھن ''نیویارک ۱۹۷۸ء'' میں اسرائیل کی علاقائی توسیع کی حرص کے بارے میں یہ فکر انگیز جملہ لکھا ہے۔ ''علاقائی توسیع کے صیہونی عزائم کی کوئی حد نہیں'' یہ تبصرہ اور پروفیسر گارودی کا تبصرہ کہ ''صیہونی ریاست اب تک ہر وہ مقصد پورا کرتی رہی ہے جس کا عزم اس نے برملا کیا تھا۔ حالانکہ اس کے کئی مقاصد دیومالائی اور فرضی تھے۔ دیوانہ پن اور قیاس پر مبنی تھے' تمام مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے لیے ایک سنگین وارننگ ہے۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ ''عظیم تر اسرائیل'' بنانے کی غرض سے اسرائیل نے ابھی تک اپنی ریاستی باؤنڈری یعنی زمینی حدود کو غیر متعین اور غیر واضح رکھا ہوا ہے جس طرح صیہونی لیڈروں نے دھوکے' دہشت گردی' حکمرانوں پہ دباؤ اور بڑی طاقتوں کی پشت پناہی سے ایک فرضی دعویٰ پر اسرائیل قائم اور تسلیم کروایا انہیں ہتھکنڈوں سے وہ ''عظیم تر اسرائیل'' کو تسلیم کروانے اور قائم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

سعودی عرب اور پاکستان کا اسرائیل کو تسلیم کرنا سنگین اور ناقابل تلافی غلطی کا ارتکاب ہوگا۔ اسرائیل کو تسلیم کرنا عظیم تر اسرائیل کو تسلیم کرنا ہے۔ اس وقت اشد ضروری ہے کہ مسلم حکمران تدبر و حکمت' عزم و صبر سے کام لیں۔ قرآن مجید ان چاروں صفات پہ مسلم قائدین کے لیے خصوصاً بہت تاکید کرتا ہے۔ ظلم و فریب سے بنی ہوئی جعلی اسرائیلی ریاست کو کسی قیمت پر قبول نہ کیا جائے۔ ۱۱ ستمبر کی واردات میں اسرائیل کا ملوث ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ امریکہ خود اس کا بڑا ہدف ہے اور متزلزل ہو چکا ہے۔ آنے والے دنوں میں صیہونیت کے مہا منصوبے کے مطابق مسلم ممالک میں مزید طوفانی بحران اٹھنے والے ہیں ان کا سامنا کرنے کے لیے مسلم ممالک میں باہمی اور ہر مسلم ملک میں حکام اور عوام کا اتحاد بہت ضروری ہے۔ مسلم عوام کو اسرائیل کبھی بھی منظور نہیں ہوگا۔ کیونکہ قرآن مجید کی رو سے بھی اس صیہونی ریاست مسلمانوں کے تعلقات ممنوع ہیں۔ (بشکریہ نوائے وقت)

جناب امتیاز وریا

فلسطینی علاقوں پر یہودیوں کا قبضہ اور مسئلہ فلسطین کی حقیقت

مسئلہ فلسطین اسلامی اور عرب دنیا کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ یہ بہت ہی اُلجھا ہوا مسئلہ ہے جس کے نقصان دہ اثرات کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سیاسی لحاظ، دینی لحاظ اور اقتصادی نقطہ نظر سے بھی لاینحل ہو گیا ہے۔ کشمکش کا جس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے یہ حقیقت نمایاں ہو کر سامنے آئے گی۔

اس مسئلے کا آغاز ۱۸۹۷ء میں ہوا جب سوئٹرز لینڈ کے شہر پال میں یہودیوں نے ایک کانفرنس منعقد کی جس کے انعقاد میں تھیوڈور ہرتزل کا بڑا کردار تھا۔ اس کانفرنس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ ہمیں فلسطین میں اپنا قومی وطن بنانا ہے۔ ہرتزل نے ''یہودی مملکت'' کے موضوع پر ایک کتاب میں اس مملکت کی حدود کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اسرائیل کی حدود میں سارا فلسطین، پورا اردن، تمام تر شام ولبنان، عراق وکویت کے بیشتر علاقے اور سعودی عرب کا بھی بڑا حصہ شامل ہوگا۔ یہ حدود مدینہ منورہ تک وسیع ہوں گے۔ مصر سے صحرائے سینا، قاہرہ اور سکندریہ اسرائیل کی حدود میں لیے جائیں گے۔ یہی علاقہ ہے جسے یہودی اپنی اولاد کو یاد کراتے رہتے ہیں اور یہی عبارت اسرائیلی پارلیمنٹ کی پیشانی پر کندہ ہے۔ ''اے اسرائیل تیری سرحدیں دریائے فرات سے دریائے نیل تک ہیں'' اور یہی یہودی کا نعرہ ہے جسے عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ کوشاں ہیں۔ جبکہ صیہونیوں نے ایک تحریک شروع کی کہ مختلف علاقوں سے یہودی ہجرت کر کے فلسطین میں جا کر آباد ہوں اور وہاں زمینیں خریدین شروع کریں۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء سے اس مہاجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور زیادہ تر مشرقی یورپ سے یہودی خاندان وہاں منتقل ہونے لگے۔ تھیوڈور ہرتزل کی صیہونی تحریک میں اس بات کو مقصود قرار دیا

گیا تھا کہ فلسطین پر دوبارہ قبضہ حاصل کیا جائے اور ہیکل سلیمان کی تعمیر کی جائے۔ یہودی سرمایہ داروں نے اس غرض کے لیے بڑے پیمانے پر مالی امداد فراہم کی کہ فلسطین منتقل ہونے والے یہودی خاندان وہاں زمینیں خریدیں اور منظم طریقے سے اپنی بستیاں بسائیں۔ ۱۹۰۱ء میں ہرتزل نے سلطان عبدالحمید خان، سلطان ترکی کو باقاعدہ یہ پیغام بھجوایا کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں، آپ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دیں۔ مگر سلطان عبدالحمید خان نے اس پیغام کو مسترد کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ ”جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک ترکی سلطنت موجود ہے، اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے۔ تمہاری ساری دولت پر میں تھوکتا ہوں۔“

سلطان عبدالحمید خان کا جواب سن کر ہرتزل کی طرف سے ان کو صاف صاف یہ دھمکی دی گئی کہ تم اس کا برا نتیجہ دیکھو گے۔ چنانچہ اس کے بعد فوراً ہی سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازشیں شروع ہو گئیں جن میں فری میسن، دونمہ (وہ یہودی جنہوں نے ریاکارانہ اسلام قبول کر رکھا تھا) اور وہ مسلمان نوجوان شریک تھے جو مغربی تعلیم کے زیرِ اثر آ کر ترکی قوم پرستی کے علمبردار بن گئے تھے۔ ان لوگوں نے ترکی فوج میں اپنے اثرات پھیلائے اور سات سال کے اندر ان کی سازشیں پختہ ہو کر اس منزل پر پہنچ گئیں کہ سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیں۔ اس زمانے میں ایک دوسری سازش بھی زور شور سے چل رہی تھی جس کا مقصد ترکی سلطنت کے ٹکڑے اڑانا تھا اور اس سازش میں بھی مغربی سیاست کاروں کے ساتھ ساتھ یہودی دماغ ابتدا سے کارفرما رہا۔ ایک طرف ترکوں میں یہ تحریک اٹھائی گئی کہ وہ سلطنت کی بنا پر اسلامی اخوت کے بجائے ترکی قوم پرستی پر رکھیں حالانکہ ترکی سلطنت میں صرف ترک ہی آباد نہیں تھے بلکہ عرب، کرد اور دوسری نسلوں کے مسلمان بھی تھے۔ ایسی سلطنت کو صرف ترکی قوم کی سلطنت قرار دینے کے صاف معنی یہ تھے کہ تمام غیر ترک مسلمانوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ختم ہو جائیں۔ دوسری طرف عربوں کو عربی قومیت کا سبق پڑھایا گیا اور ان کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی جدوجہد کریں۔

جنگ عظیم اول اور اعلان بالفور

پہلی جنگ عظیم میں ابتدأ یہودیوں نے حکومت جرمنی سے معاملہ کرنا چاہا تھا۔ کیونکہ جرمنی میں اس وقت یہودیوں کا اتنا ہی زور تھا جتنا آج امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ انہوں نے قیصر ولیم سے یہ وعدہ لینے کی کوشش کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنوادے گا لیکن جس وجہ سے یہودی اس پر یہ اعتماد نہیں کر سکتے تھے کہ وہ ایسا کرے گا وہ یہ تھی کہ ترکی حکومت اس جنگ میں جرمنی کی حلیف تھی۔ یہودیوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ قیصر ولیم ہم سے یہ وعدہ پورا کر سکے گا۔ اس موقع پر ڈاکٹر وائز مین آگے بڑھا اور اس نے انگلستان کی حکومت کو یہ یقین دلایا کہ جنگ میں تمام میں تمام دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ اور تمام دنیا کے یہودیوں کا دماغ اور ان کی ساری قوت و قابلیت انگلستان اور فرانس کے ساتھ آسکتی ہے۔ اگر آپ ہم کو یہ یقین دلادیں کہ آپ فتحیاب ہو کر فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنادیں گے۔ ڈاکٹر وائز مین ہی اس وقت یہودیوں کے قومی وطن کی تحریک کا علمبردار تھا۔ آخر کار اس نے ۱۹۱۷ء میں انگریزی حکومت سے وہ مشہور پروانہ حاصل کر لیا جو اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے۔ یہ انگریزوں کی بددیانتی کا شکار ہے کہ ایک طرف وہ عربوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ہم عربوں کی ایک خودمختار ریاست بنائیں گے اور اس غرض کے لیے انہوں نے شریف حسین (حجاز کے حکمراں) کو تحریری وعدہ دے دیا تھا اور اسی وعدے کی بنیاد پر عربوں نے ترکوں سے بغاوت کر کے فلسطین اور عراق اور شام پر انگلستان کا قبضہ کرادیا تھا۔ دوسری طرف وہی انگریز یہودیوں کو باقاعدہ یہ تحریر دے رہے تھے کہ ہم فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنائیں گے۔

فلسطین کوئی خالی پڑی ہوئی زمین نہ تھی جس پر کسی قوم کو آباد کر دینے کا وعدہ کیا جا رہا تھا؟ وہاں دو ڈھائی ہزار برس سے ایک قوم آباد چلی آرہی تھی۔ اعلان بالفور کے وقت وہاں کی آبادی پوری پانچ فیصد بھی نہ تھی۔ ایسے ملک کے متعلق سلطنت برطانیہ کا وزیر خارجہ تحریری وعدہ دے رہا تھا کہ ایک قوم کے وطن میں دوسری قوم کا وطن بنایا جائے گا جو دنیا بھر میں انیس سو برس سے بکھری ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسا ظلم تھا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس زخم پر

نمک پاشی یہ تھی کہ لارڈ بالفور نے اپنے اس خط کے متعلق اپنی ڈائری میں یہ الفاظ لکھے۔ تھے ''ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صیہونیت ہمارے لیے ان سات لاکھ عربوں کی خواہشات اور تعصّبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جو اس قدیم سرزمین میں اس وقت آباد ہیں۔ بالفور کی ڈائری کے یہ الفاظ آج بھی برطانوی پالیسی کی دستاویزات (Documents of Biritish Policy) کی جلد دوم میں ثبت ہیں۔

مجلس اقوام کی کارگزاری

فلسطین پر انگریزوں کے قبضے اور لارڈ بالفور کے اعلان سے یہودیوں کے طویل المیعاد منصوبے کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔ ۱۸۸۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۷ء تک اس مرحلے کی تکمیل میں سینتیس سال صرف ہوئے۔ اس کے بعد اس منصوبے کا دوسرا دور شروع ہوا جس میں مجلس اقوام اور اس کی اصل کارفرما دو بڑی طاقتوں، برطانیہ اور فرانس نے بالکل اس طرح کام کیا گویا وہ آزاد سلطنتیں نہیں ہیں۔ بلکہ محض صیہونی تحریک کی ایجنٹ ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں مجلس اقوام نے فیصلہ کیا کہ فلسطین کو انگریزوں کو انتداب (Mandate) میں دے دیا جائے۔ اس موقع پر فلسطین میں جو مردم شماری کرائی گئی تھی اس میں مسلمان عرب ۶۴۱، ۶۰، ۶ عیسائی عرب ۴۶۴، ۱ء اور یہودی ۹۰، ۷، ۸۲ تھے اور یہودیوں کی اتنی آبادی بھی اسی وجہ سے تھی کہ وہ دھڑا دھڑ وہاں جا کر آباد ہو رہے تھے۔ اس پر بھی مجلس اقوام نے برطانیہ کو انتداب کا پروانہ دیتے ہوئے پوری بے شرمی کے ساتھ یہ ہدایت کی کہ یہ اس کی ذمہ داری ہوگی کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لیے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرے۔ صیہونی تنظیم کو سرکاری طور پر باقاعدہ تسلیم کر کے اسے نظم ونسق میں شریک کرے اور اس کے مشورے اور تعاون سے یہودی قومی وطن کی تجویز کو عملی جامہ پہنائے۔ اس کے ساتھ وہاں کے قدیم اور اصل باشندوں کے لیے صرف اتنی ہدایت پر اکتفا کیا گیا کہ ان کے مذہبی اور شہری حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ یہ انتداب حاصل کرنے کے بعد یہودیوں کو فلسطین میں لا کر بسانے کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ فلسطین کا

پہلا برطانوی ہائی کمشنر سر ہربرٹ سیموئیل خود ایک یہودی تھا۔ صیہونی تنظیم کو عملاً حکومت کے نظم ونسق میں شریک کیا گیا اور اس کے سپرد نہ صرف تعلیم اور زراعت کے محکمے کیے گئے بلکہ بیرونی ممالک سے لوگوں کے داخلے اور قومیت کے معاملات بھی اس کے حوالے کر دیے گئے۔ ایسے قوانین بنائے گئے جس کے ذریعہ سے باہر کے یہودیوں کو فلسطین میں آ کر زمینیں حاصل کرنے کی پوری سہولتیں دی گئیں۔ مزید برآں ان کو زمینیں کاشت کرنے کے لیے قرضوں اور تقاوی اور دوسری سہولتوں سے بھی نوازا گیا۔ عربوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے اور ٹیکسوں کے بقایا پر ہر بہانے عدالتوں نے زمینیں ضبط کرنے کی ڈگریاں دینی شروع کر دیں۔ ضبط شدہ زمینیں یہودیوں کے ہاتھ فروخت کی گئیں اور سرکاری زمینوں کے بھی بڑے بڑے رقبے یہودی نو آبادکاروں کو کہیں مفت اور کہیں برائے نام پٹے پر دے دیے گئے۔ بعض مقامات پر کسی نہ کسی بہانے پورے عرب گاؤں صاف کر دیے گئے اور وہاں یہودی بستیاں بسائی گئیں۔ ایک علاقے میں تو آٹھ ہزار عرب کاشتکاروں اور زرعی کارکنوں کو پچاس ہزار ایکڑ زمین سے حکماً بے دخل کر دیا گیا اور ان کو فی کس تین پونڈ دس شلنگ دے کر چلتا کیا گیا۔ ان تدبیروں سے سترہ سال کے اندر یہودی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ بیاسی ہزار سے کچھ زائد تھے۔ ۱۹۳۶ء میں ان کی تعداد ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگریز فلسطین میں صرف صہیونیت کی خدمت انجام دیتے رہے اور ان کے ضمیر نے ایک دن بھی ان کو یہ احساس نہ دلایا کہ کسی ملک کی حکومت پر اس کے اصل باشندوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں جن کی نگہداشت کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

جنگ عظیم دوم کے زمانے میں معاملہ اس سے بہت آگے بڑھ گیا۔ ہٹلر کے مظالم سے بھاگنے والے یہودی ہر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے بے تحاشا فلسطین میں داخل ہونے لگے۔ صیہونی ایجنسی نے ان کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ملک کے اندر گھسانا شروع کیا اور مسلح تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کر کے عربوں کو بھگانے اور یہودیوں کو ان کی جگہ بسانے میں سفاکی کی حد کر دی۔ انگریزی انتداب کی ناک کے نیچے یہودیوں کو ہر طرح کے ہتھیار پہنچ رہے تھے اور وہ عربوں پر چھاپے مار رہے تھے۔ مگر قانون صرف عربوں

کے لیے تھا جو انہیں ہتھیار رکھنے اور ظلم کے جواب میں مدافعت کرنے سے روک رہا تھا۔ البتہ برطانوی حکومت جان بچا کر بھاگنے والے عربوں کو نقل مکانی کی سہولتیں فراہم کرنے میں بڑی فراخ دل تھی۔ اس طرح ۱۹۱۷ سے ۱۹۴۷ء تک تیس سال کے اندر یہودی منصوبے کا دوسرا مرحلہ مکمل ہوا جس میں وہ اس قابل ہو گئے کہ فلسطین میں ان کی ''قومی ریاست'' قائم کر دیں۔

قومی وطن سے قومی ریاست تک

۱۹۴۷ء میں برطانوی حکومت نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ اس کے حق میں تینتیس ووٹ اور اس کے خلاف تیرہ ووٹ تھے۔ دس ملکوں نے کوئی ووٹ نہیں دیا۔ تقسیم کی جو تجویز پاس کرائی گئی اس کی رو سے فلسطین کا پچپن فیصد رقبہ تینتیس فیصد یہودی آبادی کو اور پینتالیس فیصد رقبہ ۶۷ فیصد عرب آبادی کو دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت تک فلسطین کی زمین کا صرف چھ فیصد حصہ یہودیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف۔

۱۴ مئی ۴۸ء کو عین اس وقت جبکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی فلسطین کے مسئلے پر بحث کر رہی تھی، یہودی ایجنسی نے رات کے دس بجے اسرائیلی ریاست کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا اور سب سے پہلے امریکہ اور روس نے آگے بڑھ کر اس کو تسلیم کیا۔ حالانکہ اس وقت اقوام متحدہ نے یہودوں کو فلسطین میں اپنی قومی ریاست قائم کرنے کا مجاز نہ کیا تھا۔ اس اعلان کے وقت تک چھ لاکھ سے زیادہ عرب گھر سے بے گھر کیے جا چکے تھے اور اقوام متحدہ کی تجویز کے بالکل خلاف یروشلم (بیت المقدس) کے آدھے سے زیادہ حصے پر اسرائیل قبضہ کر چکا تھا۔

ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان ہونے کے بعد گرد و پیش کی عرب ریاستوں نے بے سہارا عرب آبادی کو مار دھاڑ اور لوٹ مار سے بچانے کے لیے مداخلت کی اور ان کی فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئیں لیکن یہودی اس وقت تک اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ یہ سب ریاستیں مل کر بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں بلکہ جب نومبر ۴۸ء میں اقوام متحدہ نے جنگ بندی کا فیصلہ کیا

اس وقت فلسطین کے رقبے کا ۷۷ فیصد سے بھی کچھ زیادہ حصہ یہودیوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہودیوں کو اتنی جنگی طاقت کس نے فراہم کر کے دی تھی کہ پانچ عرب ریاستوں کی متحدہ طاقت بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکی؟ اس طاقت کے فراہم کرنے میں سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام دونوں شریک تھے اور سب سے زیادہ ہتھیار اس جنگ کے لیے چیکوسلوواکیہ سے آئے تھے۔ اقوام متحدہ میں بھی جو بحثیں اس زمانے میں ہوئیں ان کا ریکارڈ شاہد ہے کہ یہودیوں کی حمایت اور عربوں کی مخالفت میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام دونوں کے علمبردار ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ کہنا مشکل تھا کہ ان میں سے کون یہودیوں کا زیادہ حامی ہے۔

اس کے بعد یہودی منصوبے کا تیسرا مرحلہ شروع ہوا جو انیس سال کے اندر جون ۶۷ء کی جنگ میں بیت المقدس اور پورے باقی ماندہ فلسطین اور پورے جزیرہ نمائے سینا اور سرحد شام کی بالائی پہاڑیوں (جولان) پر اسرائیلی ریاست کا رقبہ ۷،۹۹۳ مربع میل تھا۔ جون ۶۷ کی جنگ میں اس کے اندر ۲۷ ہزار مربع میل کا اضافہ ہو گیا اور ۱۵/۱۴ لاکھ عرب یہودیوں کے غلام بن گئے۔ اس مرحلے میں اسرائیل کے منصوبے کی کامیابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر امریکہ اس کا حامی و مددگار اور پشت پناہ بنا رہا۔ ۱۹ برس کی اس مدت میں امریکہ نے اسرائیلکو ایک ارب ساٹھ کروڑ ڈالر کی مالی امداد دی۔ مغربی جرمنی سے اس کو بیاسی کروڑ بیس لاکھ ڈالر کا تاوان دلوایا گیا اور دنیا بھر کے یہودیوں نے دو ارب ڈالر سے زیادہ چندے دے کر اس کی مالی پوزیشن مضبوط کی۔ جنگی حیثیت سے اس کو اس قدر مسلح کر دیا گیا کہ جون ۶۷ کی جنگ سے پہلے ہی امریکی ماہرین کا یہ اندازہ تھا کہ وہ صرف پانچ دن کے اندر اپنے گرد و پیش کی تمام عرب ریاستوں کو شکست دے لے گا۔ سیاسی حیثیت سے ہر موقع پر امریکہ اور اس کے ساتھی اس کی پشت پناہی کرتے رہے اور انہی کی حمایت کی وجہ سے اقوام محدہ اس کی پے در پے زیادتیوں کا کوئی تدراک نہ کر سکی۔

امریکہ کی دلچسپی اسرائیل کے ساتھ کتنی بڑھی ہوئی تھی اور ہے، اس کو جاننے کے لیے ذرا اس رویے پر ایک نگاہ ڈال لیں جو جون ۶۷ء کی جنگ کے موقع پر اس نے اختیار کیا تھا۔ جنگ

سے ایک ہفتہ پہلے امریکی فوج کے جائنٹ چیفس آف سٹاف کے سربراہ جنرل وہیلر نے صدر جانسن کو اطمینان دلایا تھا کہ اگر اسرائیل بڑھ کر پہلے ایک کامیاب ہوائی حملہ کر دے تو پھر زیادہ سے زیادہ تین چار دن کے اندر وہ عربوں کو مار لے گا لیکن اس رپورٹ پر بھی جانسن صاحب پوری طرح مطمئن نہ ہو سکے اور انہوں نے سی آئی اے کے چیف رچرڈ ہیلمس سے رپورٹ طلب کی۔ اس نے بھی وہیلر کے اندازوں کی توثیق کر دی تو جانسن صاحب نے روس سے رجوع کر کے یہ اطمینان حاصل کیا کہ وہ عربوں کی مدد کے لیے عملاً کوئی مداخلت نہ کرے گا۔ جبکہ امریکہ کا چھٹا بحری بیڑا مصر و اسرائیل کے سواحل کے قریب اپنی پوری طاقت کے ساتھ مستعد کھڑا تھا تا کہ بوقت ضرورت کام آ سکے۔

انگریزوں کی اسرائیل نوازی کا حال یہ تھا کہ ان کا ایک طیارہ بردار بحری جہاز مالٹا میں اور دوسرا عدن میں اسرائیل کی مدد پر حرکت کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اگر تین بڑی طاقتوں امریکہ، سوویت روس اور برطانیہ نے کھلم کھلا دامے درمے سخنے اسرائیل کا ساتھ دیا اور اس کی سرپرستی کی تو چوتھی بڑی طاقت فرانس بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہا اور دراصل اس کی طرف سے اسرائیل کو دیے گئے اسلحہ اور جنگی طیاروں کے ذریعے اسرائیل، عرب ملکوں کو محض چھ روز میں شکست دینے کے قابل ہو سکا۔

۱۹۶۷ء کی جنگ میں صہیونیوں نے فلسطین کے ۸۹۳۵۹ مربع کلومیٹر رقبے پر قبضہ کر لیا۔ یہ رقبہ جنگ سے پہلے اسرائیل کے زیر قبضہ علاقے سے چار گنا تھا۔ اس دوران صہیونیوں کے قتل عام کی وجہ سے چار لاکھ دس ہزار سے فلسطینی اپنی سرزمین سے نقل مکانی کر کے پڑوسی ملکوں میں چلے گئے۔ صہیونیوں نے غزہ کی پٹی اور دریائے اردن کے مغربی کنارے میں یہودی بستیاں بسانا شروع کر دیں اور صرف ایک سال کے عرصہ کے دوران چودہ بستیاں تعمیر کی گئیں اور وہاں دنیا کے مختلف ملکوں سے ساڑھے بارہ ہزار سے زائد نام نہاد ''یہودی پناہ گزینوں'' کو لا کر بسایا گیا۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر تنظیم آزادی فلسطین کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ مئی ۱۹۶۴ء میں مقبوضہ بیت المقدس میں احمد شوقیری کی صدارت میں فلسطین کی سرکردہ چار سو بائیس شخصیات کا

اجلاس ہوا جس میں عرب لیگ کے فیصلے کی روشنی میں تنظیم آزادی فلسطین پی ایل او کا قیام عمل میں لایا گیا اور فلسطین قومی کونسل، پی ایل او، ایگزیکٹو کمیٹی کی ہیئت ترکیبی کی منظوری دی گئی۔ اس کے علاوہ فلسطین لبریشن آرمی اور فلسطین کے بنیادی قانون کی بھی منظوری دی گئی۔ ۱۹۶۹ء میں یاسر عرفات پی ایل او کے چیئرمین بن گئے جس کے بعد پی ایل او نے بین الاقوامی حمایت حاصل کرنے اور فلسطینی عوام کی حالت بہتر بنانے کے لیے بھرپور کوششیں کیں اور یہیں سے فلسطینیوں کی آزادی کی انقلابی جدوجہد کا آغاز ہوا اور اقوام متحدہ کی چودہ اکتوبر ۱۹۷۴ء کی قرارداد نمبر ۳۲۰۱ کے تحت اسرائیل کے زیر قبضہ فلسطینی علاقوں کو خالی کروانے کے لیے کوششوں کو تیز کر دیا گیا۔ پی ایل او نے پندرہ نومبر ۱۹۸۸ء کو فلسطین کی آزادی کا اعلان کیا۔ ۱۹۸۲ء تک تنظیم آزادی فلسطین کا ہیڈ کوارٹر لبنان میں رہا۔ اسی سال اسرائیل کے فضائی حملے کے بعد پی ایل او کا ہیڈ کوارٹر تیونس منتقل کر دیا گیا جہاں سے چار مئی ۱۹۹۴ء کو قاہرہ سمجھوتے کے تحت غزہ اور اریحہ کو محدود خود مختاری ملنے کے بعد رملہ میں منتقل کر دیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شام اور مصر کی اسرائیل سے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں ہتھیائے گئے علاقے واپس لینے کے لیے حملہ کیا اور عرب فوجوں نے نہر سویز سے گزر کر صحرائے سینا اور گولان کی پہاڑیوں کے بیشتر علاقے واپس لے لیے اور تین ہفتے تک جاری رہنے والی جنگ میں اسرائیل فوج کو کافی حد تک شکست دینے تک کامیاب ہو گئیں۔ امریکہ کے صدر رچرڈ ایم نکسن نے اپنے وزیر خارجہ ہنری کسنجر پر الزام عائد کیا کہ وہ عربوں اور اسرائیل کے درمیان بات چیت کے ذریعے کوئی معاہدہ کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ تاہم ۱۹۷۴ء میں کسنجر ہی کی مداخلت سے فریقین کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔

۱۹۷۴ء کی جنگ کے بعد مصر اور اسرائیل کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے لیکن مصر کے صدر انور السادات نومبر ۱۹۷۷ء میں ایک روز اچانک مقبوضہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ انہوں نے اسرائیلی پارلیمنٹ سے خطاب کیا اور اسرائیلی وزیراعظم مناہم بیگن پر زور دیا کہ وہ امن بات چیت شروع کریں۔

امریکہ کی حمایت سے دونوں ملکوں کے درمیان دو سال تک مذاکرات کا سلسلہ چلتا رہا

اور ۲۶ مارچ ۱۹۷۹ء کو کیمپ ڈیوڈ میری لینڈ میں امریکہ کے صدر جمی کارٹر کی ''سرپرستی'' میں مصر اور اسرائیل کے درمیان امن سمجھوتہ طے پایا۔ اگرچہ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کے نتیجے میں طے پایا تھا تاہم اس کے باوجود بھی دونوں ملکوں کے درمیان بیشتر مسائل خاص طور پر مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے مقبوضہ علاقوں کی خودمختاری کا معاملہ طے نہیں پاسکا تھا۔

اسرائیل کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے انور السادات عربوں کی نظروں میں گر گئے۔ چنانچہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو انہیں قاہرہ میں ایک فوجی پریڈ کے معائنہ کے دوران ایک مسلح شخص نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ عراق، لیبیا، شام اور تنظیم آزادی فلسطین نے کھلم کھلا ان کے قتل کے واقعہ پر خوشی کا اظہار کیا۔

اس عرصہ کے دوران اسرائیل نے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی جنگوں میں قبضہ میں لیے گئے فلسطینی علاقوں میں دوسرے ملکوں سے یہودیوں کو لا کر بسانے کا کام جاری رکھا۔ خاص طور پر سوویت روس اور افریقی ملکوں سے صہیونیوں کو فلسطینی علاقوں میں زمینیں الاٹ کی گئیں۔ ۱۹۸۵ء میں ایتھوپیا نے اسرائیلی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ ایتھوپیا میں رہنے والے فلاشا صہیونیوں کو اسرائیل لے جانے سے باز رہے۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۵ء تک قریباً گیارہ سال کے دوران ایتھوپیا اس قدیم یہودی فرقے کے بارہ ہزار ارکان کو فضائیہ کے ذریعے اسرائیل منتقل کیا گیا۔ اس فرقہ کے لوگ دوسری صدیق قبل مسیح سے دنیا کے دوسرے یہودیوں سے بالکل الگ تھلگ رہ رہے تھے۔

اسرائیل نے ۱۹۸۹ء تک ان لوگوں کو ایتھوپیا سے فضائیہ کے ذریعے فلسطینی علاقوں میں لا کر بسانے کا کام جاری رکھا اور چند سال کے مختصر عرصہ میں چودہ ہزار فلاشا صہیونیوں کو آباد کیا گیا۔

اسی کے عشرے میں فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان تعلقات ایک نئے دور میں داخل ہوئے۔ فلسطینیوں نے اسرائیل کے زیر قبضہ علاقے میں واپس لیانے کے لیے انتفادہ تحریک شروع کی۔ انتفادہ تحریک فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کے خلاف مظاہروں، ہڑتالوں

اور اسرائیلی فوج پر پتھراؤ وغیرہ پر مشتمل تھی لیکن اسرائیلی فوج نے انتفادہ تحریک کو کچلنے کے لیے فلسطینیوں کے خلاف سخت اقدامات شروع کر دیے اور ہزاروں فلسطینیوں کو شہید و زخمی کیا گیا اور غزہ اور مغربی کنارے کے مزید علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

۱۵ نومبر ۱۹۸۸ء کو اردن، دریائے اردن کے مغربی کنارے کے علاقے سے فلسطینی عوام کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اس علاقے میں واقع شہروں اور قصبوں میں فلسطینیوں کی اکثریت ہے جبکہ اس کے بیشتر علاقے پر اسرائیل نے بھی قبضہ کر رکھا ہے۔

۱۶ اپریل ۱۹۸۸ء کو اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد کے ایجنٹوں نے معروف فلسطینی لیڈر ابو جہاد کو تیونس میں ان کے گھر میں گولی مار کر شہید کر دیا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۸۸ء کو فلسطین کی قومی کونسل نے الجزائر میں ایک اجلاس میں فلسطینی ریاست کا اعلان کیا جو اقوام متحدہ کے تقسیم کے منصوبے ۱۸۱ کے تحت قائم ہونا تھی۔ اجلاس میں نئی ریاست کے پرچم کی بھی منظوری دی گئی۔ اس نئے فلسطینی ریاست کو ان تمام ملکوں نے تسلیم کرنے کا اعلان کیا جنہوں نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

۲۰ مئی ۱۹۹۰ء کو ایک اسرائیلی نے غزہ سے تعلق رکھنے والے سات فلسطینی کارکنوں کو تل ابیب کے قریب شہید کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد مسئلہ فلسطین پر غور کے لیے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا خصوصی اجلاس جنیوا میں ہوا۔ سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پی ایل او کے چیئرمین یاسر عرفات نے فلسطینی عوام اور مقدس مقامات کے تحفظ کے لیے اقوام متحدہ کی نگرانی میں عالمی امن فوج تعینات کرنے کا مطالبہ کیا۔ بیس دسمبر ۱۹۹۰ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں قرارداد نمبر ۶۸۱ کی منظوری دی۔

۱۹۹۱ء میں اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان پہلی مرتبہ جامعہ مذاکرات کا عمل شروع ہوا۔ جس میں پڑوسی ملک بھی شامل تھے۔ تاہم جون ۱۹۹۲ء میں اسرائیل کے پارلیمانی انتخابات میں لیکوڈ پارٹی کو شکست ہوگئی اور لیبر پارٹی نے اسحاق رابن کی قیادت میں حکومت بنائی۔ ۱۹۹۳ء میں مشرق وسطیٰ کے حالات میں ایک حیران کن تبدیلی رونما ہوئی۔ اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن اور پی ایل او کے چیئرمین یاسر عرفات کے درمیان خفیہ مذاکرات کے کئی

دور ہوئے اور دونوں لیڈر امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی پہنچے اور ایک تاریخی امن سمجھوتے پر دستخط کرنے کے لیے رضامند ہو گئے۔ اسرائیل غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے کے شہر الریحہ میں فلسطینیوں کو محدود خود مختاری دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ دونوں علاقے فلسطین کی کل سرزمین کے صرف 1.5 فیصد پر مشتمل تھے۔ ۱۳ ستمبر ۹۳ کو اسرائیل اور پی ایل او کے نمائندوں نے واشنگٹن میں ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ اسحاق رابن اور پی ایل او کے رہنما یاسر عرفات نے وائٹ ہاؤس کے لان میں ایک دوسرے کے ساتھ معانقہ کیا۔ مئی ۱۹۹۴ء میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں یاسر عرفات اور اسحاق رابن نے واشنگٹن میں دستخط کیے گئے۔ معاہدے کے اصولوں کے اعلامیے کے حتمی مسودے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ اس سے اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان پینتالیس سال پرانا تنازعہ حل ہو جائے گا لیکن بعد کے برسوں میں اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ جولائی ۱۹۹۴ء میں اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابن اور اردن کے شاہ حسین نے ایک امن سمجھوتے پر دستخط کیے۔ معاہدے پر امریکی صدر کلنٹن کی موجودگی میں وائٹ ہاؤس میں دستخط ہوئے۔ دراصل یہ تمام معاہدے امریکہ کے دباؤ اور مداخلت کی وجہ سے ممکن ہوئے اور ان کا مقصد اسرائیل کی طرف سے قبضہ میں لیے گئے علاقوں کو تحفظ فراہم کرنا اور عرب ملکوں کو اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لیے مجبور کرنا تھا۔ اسی سمت کی طرف اگلا قدم اوسلو دو معاہدہ تھا جس پر ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء کو واشنگٹن میں ہی دستخط کیے گئے۔ اس معاہدے کے تحت اسرائیلی فوجیوں نے ۱۹۹۶ء کے آغاز تک مغربی کنارے کے چھ شہروں اور چار سو دیہات کو خالی کرنا تھا جس کے بعد بیاسی ارکان پر مشتمل فلسطینیوں کی قانون ساز کونسل کے لیے انتخابات ہونا تھے لیکن اوسلو معاہدے پر عمل درآمد کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی کہ چار نومبر ۱۹۹۵ء کو اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابن کو ایک انتہا پسند یہودی نے تل ابیب میں قتل کر دیا۔ اسرائیل کے زیر قبضہ علاقوں کی فلسطینیوں کو واپسی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس دوران فلسطینیوں نے ابھی مزاحمتی تحریک جاری رکھی اور اسرائیل نے بھی فلسطینیوں کے خلاف پر تشدد اور ظالمانہ کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا جبکہ ۱۹۹۶ء میں مغربی کنارے کے شہروں میں اسرائیلی فوج کو دوبارہ تعینات کر دیا گیا۔ الخلیل

پہلے ہی اسرائیلی فوج کے محاصرے میں تھا۔ ۱۹۹۷ء میں اسرائیل نے جبل ابوغنیم میں نئی بستیاں بسانا شروع کر دیں۔ اسرائیل کی طرف سے فلسطینی علاقوں پر قبضے کا سلسلہ جاری تھا کہ ستمبر ۲۰۰۰ء میں موجودہ اسرائیلی وزیراعظم تب اپوزیشن لیڈر اریل شیرون کو نجانے کیا سوجھی کہ وہ مقبوضہ بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ جا پہنچے جس کے خلاف فلسطینیوں نے شدید احتجاج کیا۔ اسرائیلی فوج نے فلسطینی مظاہرین پر فائرنگ کر دی جس سے کئی فلسطینی شہید و زخمی ہو گئے۔ تب سے اب تک (یکم مارچ ۲۰۰۴ء) اسرائیلی فوج کی ظالمانہ کارروائیوں میں ۲۸۴۳ فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جبکہ اس عرصہ کے دوران ۸۸۶ یہودی مارے گئے۔ فلسطینی اب اسرائیلیوں پر خودکش حملے کر رہے ہیں جن سے بچنے کے لیے اسرائیل نے ۲۰۰۳ء سے مغربی کنارے میں حفاظتی باڑ کی تعمیر کا کام شروع کر رکھا ہے جو سات سو کلومیٹر طویل ہو گی۔ دسمبر ۱۹۹۳ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے عرب ملکوں کی تحریک پر اس کے خلاف ایک قرارداد منظور کی تھی اور عالمی عدالت انصاف سے کہا تھا کہ وہ اس کی قانونی حیثیت کے بارے میں فیصلہ دے۔ چنانچہ فروری ۲۰۰۴ء میں عالمی عدالت انصاف نے اس مسئلہ کے بارے میں سماعت کی لیکن اسرائیل نے پہلے ہی اس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا جبکہ امریکہ اور یورپی یونین نے بھی سماعت میں حصہ نہیں لیا اور صرف عرب ملکوں اور فلسطینی نمائندوں نے اپنے دلائل پیش کیے۔ عالمی عدالت انصاف نے ۲۹ فروری تک اپنا فیصلہ نہیں سنایا تھا لیکن سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عمل درآمد نہ کرنا عالمی عدالت انصاف کا بائیکاٹ کرنا اسرائیل ہی کا طرہ امتیاز ہے کیونکہ وہ کسی بھی بین الاقوامی قانون، قاعدے کو تسلیم نہیں کرتا۔ مگر اس سب کے باوجود ہمارے بعض سیاسی بزرجمہر اسے بطور ریاست تسلیم کرنے کے بیانات داغتے رہتے ہیں ایک جارح اور غاصب ملک کو کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

گزشتہ مضامین اور فاضل تجزیہ نگار جناب طارق مجید صاحب اور جناب امتیاز وریا کے تبصروں سے حقیقت واضح ہو چکی ہے۔ مزید کسی بات کی گنجائش اب باقی نہیں رہی۔ صرف مسلمانوں کے اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ اپنے حکمرانوں کو صیہونیت کے آلہ کار بننے سے روکیں۔

مقالاتِ سیمینار کراچی ۱۹۹۸ء

مفتی محمود

ایک قومی راہنما

ترتیب

محمد فاروق قریشی



متصل مسجد پائیلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور۔ فون : ۷۵۶۱۰۲۵

E-Mail: juipak@brain.net.pk

مجاہدِ ملّت

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

ایک سیاسی مُطالعہ

مُرتّب:
ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

زیر اہتمام
جمعیۃ پبلیکیشنز
متصل مسجد پائلٹ ہائی سکول ○ وحدت روڈ لاہور

طریقۂ تعلیم

تالیف

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مورخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ



متصل مسجد پائیلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور۔ فون : ۷۵۶۱۰۲۵
E-Mail: juipak@wol.net.pk

اسلامی زندگی

تألیف

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
مُحدِّث، فقیہ، مُورّخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مُؤلف کتب کثیرہ



متصل مسجد پائیلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور۔ فون : 5433614
E-Mail: juipak@wol.net.pk

شرح

دیباچہ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

المعروف

رسالہ نائیہ

مصنف:

حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ، مقدمہ و حواشی

محمد نذیر رانجھا



متصل مسجد پائیلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۵۴۲۷۹۰۱-۲
E-Mail: juipak@wol.net.pk

جمعیۃ پبلی کیشنز کی دیگر کتابیں

	نام کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱-	سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہؐ	مولانا سید محمد میاںؒ	624	250روپے
۲-	صحابہ کرام کا عہد زریں	مولانا سید محمد میاںؒ	752	300روپے
۳-	اسیران مالٹا	مولانا سید محمد میاںؒ	392	160روپے
۴-	تحریک ریشمی رومال	مولانا سید محمد میاںؒ	436	180روپے
۵-	سیاسی واقتصادی مسائل	مولانا سید محمد میاںؒ	240	120روپے
۶-	حیات شیخ الاسلامؒ	مولانا سید محمد میاںؒ	224	120روپے
۷-	جمعیۃ علماء کیا ہے	مولانا سید محمد میاںؒ	376	160روپے
۸-	پانی پت اور بزرگان پانی پت	مولانا سید محمد میاںؒ	352	160روپے
۹-	دین کامل	مولانا سید محمد میاںؒ	128	55روپے
۱۰-	درویش سیاست دان	انور قدوائی	200	120روپے
۱۱-	تاریخ وتذکرہ خانقاہ سراجیہ	محمد نذیر رانجھا	555	250روپے
۱۲-	ضرب درویش	محمد ریاض درانی	450	180روپے
۱۳-	شرح دیباچہ مثنوی مولانا روم	محمد نذیر رانجھا	150	110روپے
۱۴-	جنگ، سیرۃ نبوی کی روشنی میں	مولانا غلام غوث ہزارویؒ	264	130روپے
۱۵-	انسانی حقوق	محمد رحیم حقانی	128	50روپے
۱۶-	مفتی محمود ایک قومی رہنما	محمد فاروق قریشی	264	130روپے
۱۷-	مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ (ایک سیاسی مطالعہ)	ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری	500	200روپے
۱۸-	عہد ساز قیادت	ڈاکٹر احمد حسین کمال	234	120روپے
۱۹-	دارالعلوم دیوبند (تحفظ واحیاء اسلام کی عالمگیر تحریک)	محمد ریاض درانی	130	50روپے
۲۰-	فتاویٰ مفتی محمود (پانچ جلدیں)	مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ		1100روپے
۲۱-	آنے والے انقلاب کی تصویر	مولانا سید محمد میاںؒ	72	25روپے
۲۲-	روشن مستقبل	سید محمد طفیل علیگ	600	200روپے
۲۳-	طریقہ تعلیم	مولانا سید محمد میاںؒ	120	60روپے
۲۴-	اسلامی جہاد اور موجودہ جنگ	ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری	80	50روپے
۲۵-	اسلامی زندگی	مولانا سید محمد میاںؒ	130	50روپے
۲۶-	تلاشِ علم	شیخ عبدالفتاح ابوغداءؒ	354	160روپے
۲۷-	طہارت کے جدید مسائل	مفتی ابراہیم مدنی	340	150روپے

اسرائیل

کیوں تسلیم کیا جائے؟

تصنیف:
مولانا محمد شریف ہزاروی



متصل مسجد پائیلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور۔ فون: ۲-۵۴۲۷۹۰۱-۰۴۲
E-Mail: juipak@wol.net.pk

ISBN NO. 969-8793-27-5

